نوائے خامہ

نظر زیدی

مکتبۂ ادب جدید ۵ ایبک روڈ لاہور
کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی
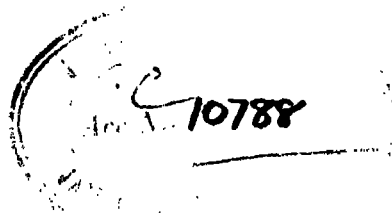
بار اوّل ... سنہ ۱۹۶۰ء

تعداد ... ۱۱۰۰

قیمت ... چار روپے

مطبوعہ .. دین محمدی پریس لاہور

طابع و ناشر ... امان عاصم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

میں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شعر سے کیا تھا، لیکن دوسرے انسانوں کی طرح میں بھی قدرت کی مصلحتوں کے سامنے بے بس ہوں اور غالباً کسی مصلحت ہی کی بنا پر میری زندگی میں یہ ہنگامہ ہوا کہ پوری طرح اس طرف توجہ نہ دے سکا۔ روزی حاصل کرنے کے خرخشوں نے نثر کی طرف دھکیل دیا اور اس میں بھی یہ رنگارنگی رہی کہ کبھی بچوں کے لئے لکھنا پڑا، کبھی خواتین کے لئے۔ اگرچہ میرے لئے یہ نقصان کا سودا نہیں رہا۔ ایک تو آہستہ آہستہ مختلف موضوعات پر لکھنے کی مشق بڑھتی گئی، دوسرے میرے علم کے بغیر ہی چھوٹی بڑی کتابوں کا کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ لیکن پھر بھی یہ خیال کبھی کبھی ضرور ستاتا ہے کہ جس صنف میں مجھے زیادہ کوشش کرنی چاہئے تھی اور جس کی طرف میرا ذہن نسبتاً راغب رہتا ہے کچھ زیادہ نہ لکھا جا سکا۔

اس مجموعے میں جو چند نظمیں اور غزلیں ہیں وہ اپنے لہجے، موضوعات اور مزاج کے لحاظ سے خود اس بات کی گواہی دیں گی کہ ان کی تخلیق کے درمیان طویل طویل فاصلے ہیں۔ خیالات کی رَو کافی مڑتی مڑاتی اور جھٹکے کھاتی رہی ہے۔ اگر دانستہ ایسا کیا گیا ہوتا

توشاید میں کسی تاویل کا سہارا لینے کی کوشش کرتا لیکن اب تو بالکل بے گناہی کا معاملہ ہے۔
زندگی کے حالات نے جو کچھ ذہن میں ٹھونسا وہی کچھ قلم کی زبان پر آتا گیا۔ اس سلسلے میں میں
نے اگر تھوڑی بہت ریاکاری کی ہے تو وہ صرف اس قدر ہے کہ جو چیزیں اب خود مجھے پسند
نہیں آئیں اس مجموعے میں شامل نہیں کیں۔ اس میں بھی بالکل پسند نہ آنے کا معاملہ سمجھئے کیونکہ
خود اپنے کلام کا انتخاب کرتے ہوئے اس مقولے کی صداقت ظاہر ہوئی کہ شاعر کے لئے ہر
شعر اس کی معنوی اولاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ مجموعہ مطالعہ فرمانے والے حضرات میں سے جو لوگ میرے موجودہ ادبی مسلک اور
شعری مزاج کا حال جاننا چاہیں گے ان کی خدمت میں صرف اس قدر گذارش کروں گا
کہ اس مجموعے کی نظمیں "روحِ آزادی"، "رحمتِ دو عالمؐ"، "نورِ رسالتؐ"، "سوال بنامِ اہلِ چمن"،
"تمھارا نیا روپ" اور حصۂ غزل کی ابتدائی غزلیں قریب کے زمانے کی کاوش ہیں اگر کچھ کہنے
کی صلاحیت باقی رہی اور قدرت نے اس کے لئے موقع بھی دیا تو شاید جو کچھ لکھا جائے
ایسا ہی کچھ ہو۔

رہی اِس متاعِ کم مایہ کی حیثیت تو اس بارے میں سب سے بہتر اور درست رائے ان
حضرات کی ہوگی جو اس کا مطالعہ کریں گے میں تو صرف دعا کر سکتا ہوں کہ خدا کرے میری
کاوش قبولِ عام کا درجہ حاصل کرے اور اس کی کامیابی سے کچھ اور لکھنے کی تحریک ہو۔

لاہور
یکم جولائی ۱۹۵۵ء

نظر زیدی

نعت

تہذیبِ ادب فرض ہے اے کلکِ گہر بار
ہے پیشِ نظر آج مرے مطلعِ انوار

اس بارگہِ خاص میں ہوتا ہوں نوا سنج
جبریلؑ جہاں کر نہ سکے وا لبِ گفتار

حوروں کا تکلم بھی جہاں بار نہ پائے
غلماں نظر آئیں جہاں واماندہ و ناچار

جو آیۂ انجیل کی مانند منزّہ
جو مصحفِ قرآں کی طرح منبعِ انوار

احساس نے لولاکَ لمَا جس کو بتایا
ادراک نے مانا جسے کونین کا سردار

وہ نور۔ کہ دی جس نے مہ و مہر کو تنویر
روشن ہوا جس شمع سے آئینۂ اسرار

وہ قلبِ مقدس۔ کہ شریکِ غمِ کونین
دنیا کے ہر اک بیکس و مظلوم کا غمخوار

وہ خُلق۔ کہ ہر ایک کو سینے سے لگایا
وہ حلم۔ کہ ہر اک کے لئے شاخِ ثمر دار

ہر بے کس و مظلوم کا مضبوط سہارا
ظالم کے لئے جس کی نظر برّشِ تلوار

دربان بنے جس کے کئی قیصر و فغفور ہیں جس کے غلاموں میں بہت بابر و قاچار

یکتائے جہاں خواجگی و کج کلہی میں اور پھر بھی نگاہوں میں غریبوں کا سہارا

الفت نے جسے احمدؐ بے میم پکارا ایقان نے تسلیم کیا سیدِ ابرارؐ

ممدوح کی عظمت کا تقاضا تو یہی ہے مداح بھی ہو ملکِ معانی کا سپہدار

لیکن یہ عقیدت بھی عجب شے ہے کہ اکثر مفلس کو بنا دیتی ہے یوسفؑ کا خریدار

اک ایسا ہی دیوانہ و وارفتہ ہوں میں بھی اور اک سے ہے رشتہ نہ کچھ قوتِ اظہار

اک ذرۂ ناچیز ہوں، اک نقطۂ بے روح شاید ہی ملے مجھ سا کوئی بیکس و لاچار

پروانہ ہے مہتاب کی قندیل کا جویا مفلس ہے اک اقلیمِ سلیماںؑ کا طلبگار

لیکن مری فطرت کا ہے اک اور بھی پہلو محمول تعلی پہ نہ ہو یا شہِ ابرارؐ

ہر اک کا ثناخواں ہوں کچھ ایسا بھی نہیں میں توصیف کے اس باب میں صد رجہ ہوں خوددار

خود اپنے تخیل کی وہ توقیر ہے دل میں جچتے نہیں نظروں میں سلاطین کے دربار

گذرا ہوں ہر ایوانِ امارت سے سرافراز مرعوب مجھے کر نہ سکے کلغی و دستار

پایاب نظر آئے ہیں چڑھتے ہوئے دریا طوفانوں سے رہتی ہے ہمیشہ مری ٹکر

سر آپ کے قدموں میں جھکایا ہے جو میں نے
ہے اس کا سبب آپؐ کی وہ عظمتِ کردار

خود مدح سرا جس کا ہوا خالقِ کونین
قرآں میں بتایا ہے جسے گلشنِ بے خار

جو آپ کی عظمت سے خبردار نہیں ہیں
سچ یہ ۔ کہ نہیں عظمتِ انساں سے خبردار

ہے آپؐ کا دربار وہ دربار ۔ کہ جس میں
پائی ہے غلاموں نے سدا مسندِ زرتار

باقی نہ رہا فرق عرب اور عجم کا
اک راہ سے گذرے ہیں یہاں بربر و تاتار

اترا ہے امارت کا نشہ آپؐ کے صدقے
ٹوٹا ہے یہیں نسل کے اصنام کا پندار

ہے دستِ اسامہؓ میں یہاں پرچمِ توقیر
ہیں زیدؓ یہاں جیشِ صحابہ کے سپہدار

ہمسر کیا بوذرؓ کا بلالِؓ حبشی کو
بوجہل سے افضل ہوئے سلمانؓ خوش اطوار

کسریٰ کی جبیں پر ہے یہاں عرق ندامت
قیصر کی جبیں غرۂ شاہی سے گرانبار

ہے آپؐ کی تعلیم کے دامن میں وہ وسعت
تسبیح کے دانوں میں سما سکتی ہے زنار

انصاف سے دیکھیں تو ہوئی آپؐ کے ہاتھوں
انساں کی جبیں پرتوِ تہذیب سے گلنار

آقا تری رحمت کے سہارے ہی سے میں نے
گلہائے عقیدت کا لگایا ہے یہ انبار

رحمتِ دو عالمؐ

کج تھی محرابِ حرم، طاقِ مقدس بے نور — گم تھیں تحریف کے جزدان میں تورات و زبور
ختم ہونے کو تھی زمزم کی نشیلی چھاگل — گرنے ہی والی تھی فاراں کی مقدس دیوار
مدتوں سے رُخِ ہستی پہ بہار آتی نہ تھی — ربِ ارنی کی صدا طور پہ لہراتی نہ تھی
داغِ عصیاں سے گرانبار تھا راتوں کا سہاگ — دن کی عفت پہ تھی انگشت نما ظلم کی آگ
کب سے مجروح تھا پامال تھا انساں کا وقار — نہ جفا کی کوئی حد تھی، نہ وفا کا معیار

عشق آوارہ تھا اک جذبۂ کامل کیلئے
حسن بیتاب تھا اک پیار بھرے دل کیلئے

خاکِ بطحیٰ سے ہویدا ہوا آخر ترا نور — رحم و انصاف سے پھر ہو گئی دنیا معمور
تو نے انساں کو پھر انسان کا رتبہ بخشا — ظلم کا زور گھٹا، کفر کا جادو ٹوٹا

ایک مرکز پہ اکٹھے ہوئے بوبکرؓ و بلالؓ ایک ہی برج میں روشن ہوئے خورشید و ہلال،

تو ؐ نے مظلوم غلاموں کو بنایا سردار منہ کے بل آ رہے کعبہ میں اساف اور سوار

تو نے پھر مشرق و مغرب کو دیا ایک مزاج ایک دل، ایک نظر، ایک پیام، ایک رواج

"مرحبا سید مکی مدنی العربی،

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

نورِ رسالتؐ

ظلمت کدۂ امکاں میں ابھی، ابھری ہے خرد کی شوخ کرن
بے رونق ہے وحشت کا جہاں، ہے چاک جنوں کا پیراہن
پھر گونج اٹھے غنچوں کے جرس، روشن ہوئے پھر پھولوں کے دیے
مرجھا گئے پھر کانٹے کانٹے، گہلا اٹھی پھر گلبن گلبن،
اب جورِ خزاں کا ذکر ہی کیا، اب دورِ خزاں کا ختم ہوا
پامال نہ ہوں گے گل بوٹے، تاراج نہ ہوں گے کنجِ چمن
کس طرح کوئی انکار کرے، مخفی نہیں اہلِ بینش سے
اس نور سے روشن ہے دنیا، فاراں تا وادیٔ گنگ و جمن

تاریکی میں چلنے والو! تاریکی سے مانوس نہ ہو
دیکھو وہ سحر کا رنگ جما، نکھرا وہ اُجالے کا جوبن
جس منزل کے مشتاق تھے تم، آخر وہ منزل آ ہی گئی
لو اس محراب کے سایے میں، اب دور کرو روحوں کی تھکن
گھبراؤ نہ ان پھندوں سے تمہاری دہشت کی تخلیق ہیں یہ
ڈٹ جاؤ۔ کہ کچھ بھی چیز نہیں فرعونوں کے یہ دار و رسن
اب تک تو بہائم اور انسانوں میں کچھ ایسا فرق نہ تھا
اس نور کے صدقے آیا ہے انسانوں کو انساں کا چلن

اے رہبرِ عقل جزاک اللہ، اے رحمتِ عالم صلّی علیٰ
روشن ہیں وفا کی قندیلیں، مہکے ہیں محبت کے گلشن

رسول کریمؐ

یہ زندگی جسے پاتے ہیں رشکِ ماہ و نجوم
کبھی اک اشکِ ندامت کی طرح لرزاں تھی
نہ بوئے گل تھی نہ تاروں کی ضو نہ حسنِ خیال
روش روش چمنِ زندگی کی ویراں تھی
نہ اس ادا سے نسیمِ سحر تھی عطر فروش
نہ ایسی دھج سے جبینِ افق درخشاں تھی
طیور گیت سناتے نہ تھے بہاروں کے
نہ یوں فضائے چمن سرخوش و غزلخواں تھی
خنک مزاج نہ تھی شام مثل سایۂ زلف
نہ صبح ایسی اداؤں کے ساتھ خنداں تھی

قبا دریدہ تھے غنچے تپیدہ بو کلیاں
یہ حال دیکھ کے چشمِ خیال حیراں تھی

قدم قدم پہ تھا پامال آدمی کا وقار
تھا صرف خاص میں شیطاں کے غائب و موجود
خدا کے گھر میں سجائے گئے تھے لات و منات
ہوا تھا وقفِ گنہ آدمی کا ذوقِ سجود
کہیں پناہ نہ ملتی تھی بے نواؤں کو
بنا دیا تھا درندوں کو وقت نے معبود
تھا شرق و غرب میں بے آبرو زمیں کا سہاگ
اس ابتلا پہ لہو رو رہا تھا چرخِ کبود
ہوئی تھی تنگ یہ دنیا وجودِ زن کے لئے
مثالِ خار کھٹکتا تھا بیٹیوں کا وجود
نہ مہر تھی نہ مروت نہ روحِ صدق و صفا
ہوس کو سب نے بنایا تھا کعبۂ مقصود

اس انتشار کے عالم میں اے رسول کریمؐ
ترے وجود مبارک سے پھر بہار آئی

حرا کے غار سے ابھری وہ روشنی کی کرن
جو شش جہت کی ہر اک چیز کو نکھار آئی

ترا ہی فیض ہے یہ اے پیمبرِؐ اسلام
جہانِ تیرہ میں پھر صبح زر نگار آئی

دکھی دلوں کا سہارا بنی تری تعلیم
وفا کے باغ میں پھر بادِ مشکبار آئی

تری ہی کوششِ پیہم سے ظلم و جور مٹا
زباں پہ آتا ہے بے اختیار صلِّ علیٰ

خیرالبشرؐ

مہک رہا ہے نظامِ ہستی، دمک اٹھا ہے شعورِ انساں
حضورؐ کے نقشِ پا کا صدقہ، سجی سجی سی ہے بزمِ امکاں

نہ ہوگا اب ایک دل بھی ایسا جو تشنۂ نورِ زندگی ہو
نہ ہوگی اب کوئی عقل جس کو مِلا نہ ہو روشنی کا ساماں

نہیں ہے ہلکا سا ایک دھبّہ بھی روئے ہستی پہ تیرگی کا
حرا کی محراب سے ابھر آیا صدق کا نیّرِ درخشاں

نکھر گیا زندگی کا جوبن، چمک اٹھا کائنات کا رُخ
جبینِ آدمؑ میں جو نہاں تھا وہ نور اب ہوگیا نمایاں

ملا ہے رحمت کا وہ سہارا فلک سے آنکھیں ملا رہی ہیں

وہ پستیاں جن کی ظلمتوں میں سسک رہا تھا وقارِ انساں

چلی ہیں وہ پیار کی ہوائیں، چمن سے تفریق مٹ گئی ہے

اگر شگوفوں سے پُر ہیں شاخیں تو خار و خس بھی ہیں گل بداماں

مرا غرور اور بے نیازی نہیں ہے کچھ بے سبب تو زیدی

حضورؐ کے نام سے ہے نسبت ہر اک پہ ہوتا ہے کب یہ احساں

نعت

جس وقت بھی انساں جاگے گا جو دور بھی برکت پائے گا
اے رحمتِ عالم تیرے ہی قدموں میں سیس نوائے گا
تیرے افکار کی خوشبو سے ہی کھلائیں گے روحوں کے کنول
تیری سیرت کے نور ہی سے سینوں کا اندھیرا جائے گا
ان فتنہ گروں کی سوچ سے تو دکھ دور نہ ہونگے دنیا کے
دکھیاروں کے ہمدرد تو ہی یہ بگڑی بات بنائے گا
کیا فیض اٹھائے گا انساں ان مصنوعی سیاروں سے
یثرب نگری کے چاند تو ہی نیکی کی جوت جگائے گا
دیں امن و صداقت کی دولت ان فتنہ گروں کے بس میں نہیں
امی کہلانے والے پیا، یہ فیض تو ہی پہنچائے گا
دنیا کیا بھی سر مارے تکمیلِ وفا ناممکن ہے،
اخلاقِ مجسم تو ہی ہمیں اس درجے تک پہنچائے گا
ہر دامن رشکِ چمن ہوگا زیدی وہ زمانہ آتا ہے
ہر جھونکا مشکِ ختن ہوگا ہر بادل امرت لائیگا

نعتِ نبیؐ

ترے اسمِ پاک کے فیض سے مری روح نغمہ طراز ہے
تری یاد کعبۂ شوق ہے، ترا ذکر دل کی نماز ہے

تری عظمتوں کا حریف ہو نہیں ایسا کوئی نگاہ میں
نہ نگار خانۂ حسن ہے نہ طلسم زارِ مجاز ہے

کسی اور در پہ جھکے نہ سر، مری عاجزی کا بھرم رہے
مری عاجزی کا غرور بھی، تری رفعتوں کا جواز ہے

میں سیاہ کار سہی ہوں اگر مجھے ڈر نہیں ہے عذاب کا
مجھے تیری شان پہ فخر ہے، مجھے تیری ذات پہ ناز ہے

جہاں تیرے فکر کی ضَو نہ ہو، جہاں تیرے ذکر کی لو نہ ہو
نہ وہ آدمی کا مقام ہے، نہ وہ زندگی کا فراز ہے

نذرِ عقیدت بحضور رسالتمآبؐ

یہ صبح کی ضو، یہ جگمگاتی ہوئی شام یہ کاہکشاں، یہ مہر یہ ماہِ تمام
اس مشعلِ صدق سے ہے روشن ہر بزم اس شمع نور پہ درود اور سلام

یہ نور یہ زندگی یہ نغمے یہ بہار یہ حسن یہ روشنی یہ خوشبو یہ نکھار
سب کچھ ہے جہاں میں نورِ احمدؐ کے طفیل ہیں شمع رسالت کے یہ سارے انوار

انساں کو بلند و کامگار تو نے ہی کیا، خوددار و وفا شعار تو نے ہی کیا
کرتا تھا بتوں کے در پہ سجدے پیہم توحید سے ہمکنار تو نے ہی کیا

ہر چیز سے بڑھ کے تجھ سے الفت ہے مجھے　　میں تیرا ہوں اور کیا ضرورت ہے مجھے

رہتا ہے اس احساس سے اونچا مرا سر　　ذرّہ ہوں مگر مہر سے نسبت ہے مجھے

ہزار ہا منزلوں سے گذرا ہے زندگی میں ترا سفینہ

قدم نہ رُک اے مسافرِ غم، نہیں یہ طوفاں بھی بے کنارے

برق کی زد پہ شبستاں ہے خدا خیر کرے
غمِ ہستی غمِ جاناں ہے خدا خیر کرے

پھر سے ہے نجد کے صحرا میں بگولوں کا ہجوم
پھر ہوسِ زیست کا ساماں ہے خدا خیر کرے

پھر نظر آتی ہے محرابِ حرم بے رونق
بتکدہ اور درخشاں ہے خدا خیر کرے

کیفِ مینائے غزل ہو کہ بہاروں کا شباب
ہر جگہ ماتمِ انساں ہے خدا خیر کرے

جس کی بے راہ روی سے ہوئے محرومِ شکیب
وہی دل اپنا نگہباں ہے خدا خیر کرے

دیکھیے ہوتا ہے کیا جرأتِ انساں کا مآل
موت ہر گام پہ رقصاں ہے خدا خیر کرے

کیا بیاں کیجئے روداد گلستاں زیدیؔ
زندگی سر بگریباں ہے خدا خیر کرے

یہ لوگ اُن کو غمِ زیست سے ڈراتے ہیں
جو بجلیوں کے تڑپنے پہ مسکراتے ہیں

ہماری تیرہ شبی پر ہوئے ہیں خندہ فروش
بھری دوپہر میں جو مشعلیں جلاتے ہیں

عجب سکون طلبوں کے دل کی دنیا میں
بس اک سکوت کے کچھ تار جھنجھناتے ہیں

مٹا سکو گے نہ ہم کو عجیب ہیں ہم لوگ
شکستِ دل کی صدا سن کے جھوم جاتے ہیں

خزاں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بھی ہے
بہار آئے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں

مرا کلام مرے دل کا عکس ہے زیدؔی
اس آئینے میں مرے نقش جگمگاتے ہیں

مری نظر میں ہیں انوار ان کی محفل کے
یہ مہر و ماہ تو ذرّے ہیں دامنِ دل کے

وہ شمع کیا جو اندھیروں سے مات کھا جائے
وہ نور کیا جو نہ ظاہر ہو رُخ پہ محفل کے

خروشِ موجہ و گرداب ہے پیامِ حیات
یہ زندگی نہ ملی تھی سکوں میں ساحل کے

کھلا ہے جب سے نگاہوں پہ رہبری کا فریب
قدم قدم پہ نشاں پا رہا ہوں منزل کے

محبت ایک صداقت ہے یہ جہاں چمکی
بجھے بجھے نظر آئے چراغ باطل کے

دلوں میں فرق نہ آئے وہ راہ اپناؤ
عبور ہو نہ سکیں گے یہ فاصلے دل کے

ابھی قرار سے نفرت ابھی سکوں کی تلاش
عجیب ہیں یہ تماشے بھی حضرتِ دل کے

ہمارے قلب و نظر ہی سے فیض پاتے ہیں
جو ہم پہ ہنستے ہیں غیروں کے ساتھ گھل مل کے

یہ کیسا رنگِ طبیعت ہے آج کل زیدیؔ
بہت اداس ہوئے ہم تو آپ سے مل کے

مجھے نہیں غم جو زندگی نے گنوا دئے اپنے ماہ پارے
مرے خیالات کے افق پر چمک رہے ہیں نئے ستارے

وہ دیکھ تاریکیوں کے دل میں بھی شمع امید جل رہی ہے
وہ دیکھ طوفاں کی ظلمتوں میں بھی جگمگاتے ہیں کچھ کنارے

ہزار ہا منزلوں سے گذرا ہے زندگی میں ترا سفینہ
قدم نہ روک اے مسافرِ غم نہیں یہ طوفاں بھی بے کنارے

یہ کیسے کہہ دوں کہ تم کو پاکر خوشی سے محروم ہوگیا دل
مگر وہ دن یاد آرہے ہیں تمہاری فرقت میں جو گذارے

اگر زمانے کی طرح میں بھی گل و ثمر پر نثار ہوتا ،
سمیٹتا کون اپنے دامن میں پھر غمِ زیست کے شرارے

وہ دن گئے جب تمہاری چتون کی جنبشوں پہ لگی تھیں نظریں
کہ اب تو خود گردشِ زمانہ سمجھ رہی ہے مرے اشارے

یہ کیسا ماحول ہے۔ کہ زیدیؔ خلش سی ہے مسکراہٹوں میں
کہیں سے لے کاش کوئی لادے وہ میرے آنسو مرے ستارے

ہمیں احسان کیوں رنج و خوشی کے ۔۔۔ سہارے اور بھی ہیں زندگی کے

پشیماں ہو رہے آپ ناحق! ۔۔۔ ان آنکھوں میں تو آنسو ہیں خوشی کے

نہیں اچھا کسی کا دل دکھانا ۔۔۔ نہیں دن ایک سے رہتے کسی کے

محبت اور پھر تم سے محبت! ۔۔۔ کرشمے ہیں مری دیوانگی کے

کہاں کلیوں کا پھیکا سا تبسّم ۔۔۔ کہاں انداز اس گل کی ہنسی کے

وہ میری جنتِ گم گشتہ زیدی

وہ دو لمحے محبت میں خوشی کے

ہماری غمناک زندگی میں کبھی کبھی ایسے دن بھی آئے

کہ حسرتوں نے تسلیاں دیں غموں نے جامِ خوشی پلائے

وہ روبرو ہوں تو ہوش کیسا عجیب ہوتا ہے دل کا عالم

کہ جیسے پھولوں کی انجمن میں لرز اٹھیں چاندنی کے سائے

مرے تصوّر نے حسن بخشا فلک پہ تاروں کی انجمن کو

مرے ادھورے خیال لے کر بہار نے بام و در سجائے

سنبھل کے اے ساقیِ محبت یہ زندگی کے معاملے ہیں

نہ جانے محفل کا حال کیا ہو اگر ترے پاؤں ڈگمگائے

ہم اپنی دیوانگی سے غم کو خوشی کا پرتو سمجھ رہے تھے
مگر بالآخر کھلا یہ عقدہ خوشی کے ارماں تھے غم کے سائے

مثالِ گل زینتِ گلستاں، مثالِ خوشبو نگہ سے اوجھل
تمہیں کوئی کیسے غیر سمجھے، تمہیں کوئی اپنا کیا بنائے

رہِ وفا پُر خطر ہے زیدیؔ بہ احتیاطِ ہزار گذرو
غمِ محبت کی تیرگی میں چراغِ امید بجھ نہ جائے

کبھی آساں نہ ہوتی زیست کی مشکل تو کیا ہوتا
نہ آتا گر کہیں اس بحر کا ساحل تو کیا ہوتا

ہماری آبلہ پائی نے کچھ رونق تو بخشی ہے
یونہی سنسان رہتا جادۂ منزل تو کیا ہوتا

تمہاری ذات بھی اک مرحلہ ہے حسنِ فطرت کا
تمہیں ہوتے نگاہِ شوق کا حاصل تو کیا ہوتا

یہ پتھر پھول بن کر بھی قیامت ہے مصیبت ہے
محبت گر بنا دیتی نہ دل کو دل تو کیا ہوتا

تنِ آساں ناخدا تو آج بھی مدہوش ہے زیدی
جو رہتے ہم بھی محوِ عشرتِ ساحل تو کیا ہوتا

گلوں کا سوگ منایا غم بہار کیا مگر نہ ہم نے کبھی ظلمتوں سے پیار کیا

بنا ہے رونقِ ہستی یہ شعلۂ رخسار اسی ضیاء نے ہر اک شے کو تابدار کیا

دیارِ عشق میں گذرے عجب مراحل سے کبھی کبھی تو گلوں نے بھی سوگوار کیا

تم لیے کیا تھے جھجکتی سی اک کرن کے سوا یہ ہم ہیں ہم نے تمہیں رشکِ صد بہار کیا

ہوس نہ تھا غمِ الفت کہ داستاں بنتا یہ غم نہاں تھا اسے تم نے آشکار کیا

غلط کہ گردشِ دوراں سے ہار مان گئے نہیں تو ان کی عنایت نے شرمسار کیا

کچھ ایسی دھج سے گلستانِ زندگی میں رہے

خزاں کے دور کو بھی رشکِ صد بہار کیا

○

محبت نے جلوے بکھیرے تو ہوں گے چراغِ وفا جگمگایا تو ہوگا

ہمیشہ سے ایسی نہ ہوگی یہ دنیا، کبھی آدمی مسکرایا تو ہوگا

گوارا کیا ہوگا فطرت نے جس دن اک انساں کا انساں سے مرعوب ہونا

ستاروں نے نظریں جھکائی تو ہونگی بہاروں کا دل تھرتھرایا تو ہوگا

بھٹکتے ہو کیوں غم کی تاریکیوں میں اٹھو کہکشاں پر کمندیں اچھالو!

خداوندِ فطرت نے کوئی ستارہ تمہارے لئے بھی بنایا تو ہوگا

اداس اور ویراں نگاہوں کی زد پر سجا بھی تو کیا زندگی کا شبستاں

لہو جس کا جلتا ہے ان مشعلوں میں وہ تاریک دل تلملایا تو ہوگا

پریشانیوں کی مسلسل کہانی ابھرتا بگڑتا بگولا ہوں زیدیؔ

مری زندگی کا فسانہ ہی کیا ہے تمہیں بھی کسی نے سنایا تو ہوگا

قلبِ انساں ہے کب سے غم کا شکار
زندگی، اب تو کوئی چارۂ کار

ان حسیں خلوتوں کو کیا کہیے
ہر شکن میں سسک رہی ہے بہار

اس قدر بے خودی نہیں اچھی
رنگ لائے گا اس نشے کا خمار

بے کلی بات تھی کنارے کی
ناخدا اب تو آگئی منجدھار

یوں سکوں بخشتا ہے اُن کا خیال
جیسے غربت میں سایۂ دیوار

تو دلوں کے کنول کھلا نہ سکی
کیا کہوں تجھ کو اے عروسِ بہار

اور کیا چاہیئے مجھے زیدی
ان کے ہونٹوں پہ ہیں مرے اشعار

اپنا غم دے کر غمِ ہستی کو آساں کر دیا
تم نے انساں کے لئے جینے کا ساماں کر دیا

آدمی انسان ہونے کے سوا سب کچھ ہے آج
آہ یہ تہذیب، انسانوں کو حیواں کر دیا

فخر تو یہ تھا۔ کہ غم خانوں کو ملتی روشنی
کیا ہوا گر تم نے گلشن میں چراغاں کر دیا

ہنسنے والے یہ ہنسی شاید ہی راس آئے تجھے
آپ ہنسنے کے لئے کس کس کو گریاں کر دیا

اب اسی دنیا میں ہے یزداں کا تخت پُرجلال
ہم نے فطرت کو شریکِ دردِ انساں کر دیا

لاکھ سمجھایا کہ زیدی اور کچھ باتیں کرو
قصۂ غم چھیڑ کر ناحق پریشاں کر دیا

س دنیا ہی میں کچھ ایسے انساں بھی پائے جلتے ہیں

جو انسانوں کی عظمت کو مٹی میں ملائے جاتے ہیں

آہیں ہیں کہ مچلی جاتی ہیں آنسو ہیں کہ آئے جاتے ہیں

ہم پھر بھی انہیں افسانۂ دل ہنس ہنس کے سنائے جاتے ہیں

روئیں تو تقاضا ہنسنے کا ہنستے ہیں تو دل خوں ہوتا ہے

یہ کون سا عالم ہے یارب یوں جس میں ستائے جاتے ہیں

قسام ازل سبحان اللہ! کیا بخت دیا ہے تو نے ہمیں

ہم شمع کی صورت غیروں کی محفل میں جلائے جاتے ہیں

اے دوست ہمارے اشکوں کی یوں ہنس ہنس کر تحقیر نہ کر

یہ موتی اکثر حوروں کے دامن پہ سجائے جاتے ہیں

اب اس میں تعجب کیوں ہو اگر بے رونق ہے محرابِ حرم
خود اہلِ حرم تنجانے کے طاقوں کو سجائے جاتے ہیں
زیدیؔ اس جورِ مسلسل کی اب ان سے شکایت کیا کیجے
وہ تو اس طرزِ تغافل پر خود ہی شرمائے جاتے ہیں

لب نہ کھلتے تو انہیں پھر بھی خبر ہو جاتی ضبط ہوتی تو یہی آہ اثر ہو جاتی

اے مریضِ شب غم حیف تری کم نظری تو دعائیں بھی نہ کرتا تو سحر ہو جاتی

تم جو اپنے ہو تو کچھ اور ہی حاصل ہے ثمر عمر کا کیا ہے بہر حال بسر ہو جاتی

کھو دیا خاک پہ ٹپکا کے یہ آنسو تو نے نوکِ مژگاں پہ یہی بوند گہر ہو جاتی

مختصر یہ ہے ہمارا تو فسانہ زیدی

ہم نہ ہوتے جو محبت کی نظر ہو جاتی

زخم کہئے۔ کہ نمک داں کہئے　　کیا تجھے اے دلِ ناداں کہئے

اب نہیں اس کے سوا چارۂ غم　　کوئی غم ہو غمِ جاناں کہئے

ذکر آئے جو گلی کا ان کی،　　باغِ جنت کو بھی ویراں کہئے

سب کی قسمت میں کہاں لذّتِ غم　　غم کو بھی آپ کا احساں کہئے

کیجے کس کس کی شکایت زیدی

کیسے حیواں کسے انساں کہئے

شرابِ غم کے نشہ میں جو چور ہوتا ہے
وہ دل ہی جلوہ گہِ برقِ طور ہوتا ہے

دو کب نگاہ میں لاتا ہے قیصر و جم کو
جسے تمہارے کرم پر غرور ہوتا ہے

ابھی سے چاہیے تلووں کے آبلوں کا خیال
رہِ وفا میں یہ صدمہ ضرور ہوتا ہے

تو اپنی بزم کا خود نیرِ درخشاں ہے
تری ضیاء سے یہ گھر نور نور ہوتا ہے

مری غزل میں کبھی میرا حال بھی تو پڑھو
یہ مدعا بھی تو بین السطور ہوتا ہے

جو تم ملو کبھی زیدؔی سے ماننا ہی پڑے
جنوں بھی صاحبِ فہم و شعور ہوتا ہے

توحید کے نغموں سے گونج اٹھی ہے پھر دنیا
پھر گلشنِ بطحا سے رحمت کی شمیم آئی

ذبیحؑ و خلیلؑ

جہاں میں آتشِ نمرود کا اجالا تھا
ہر ایک سمت جہالت کا بول بالا تھا

نگہ سے علم کے سورج چھپے ہوئے تھے ابھی
عمل کی راہ میں کانٹے بچھے ہوئے تھے ابھی

بنی تھی اک شبِ ماتم قبا ستاروں کی
خزاں کے ہاتھ میں تھی آبرو بہاروں کی

جہاں میں سوزِ یقیں تھا نہ عزم کا پرتو
چراغِ حسن کی لَو تھی نہ شمعِ عشق کی ضو

ہر ایک روح کے شانے پہ بار تھا غم کا
ہر ایک جسم کی نس نس میں تھا اثر سم کا

چھپا تھا رازِ وفا کائنات کے دل میں
بہت چراغ ابھی بے جلے تھے محفل میں

اس انتشار کے عالم میں اک کرن ابھری
افق کے زرد کناروں پہ چھا گئی سرخی

طلسم ٹوٹ گیا شیطنت کی گھاتوں کا
خروش ختم ہوا غم کی وارداتوں کا

پناہ مل گئی کچلی ہوئی صداقت کو　　نجات مل گئی مجروح آدمیت کو

پھر ایک بار سجیں زندگی کی ڈھلوانیں　　جہاں میں گونج اٹھیں لاالٰہ کی تانیں

بلند و پست کو اس روشنی نے اپنایا　　ہر ایک دل نے محبت کا آسرا پایا،

یہ روشنی، کہ جو ہے اسوۂ ذبیحؑ و خلیلؑ

ہے شرق و غرب میں روشن یہ نور کی قندیل

کعبۃ اللہ

انساں نے اسی گھر سے آداب وفا سیکھے
دنیا نے اسی در سے الفت کی ضیا پائی

رفعت میں نہیں دیکھا کوئی بھی مقام ایسا
پست اس کے مقابل ہے افلاک کی اونچائی

بخشی ہے اسی گھر کے دیوار کے سایے نے
احساس کی گہرائی، ادراک کی گیرائی

اکناف دو عالم سے آتے ہیں زیارت کو،
توحید کے پروانے، اسلام کے شیدائی

توحید کے نغموں سے گونج اٹھی ہے پھر دنیا
پھر گلشن بطحا سے رحمت کی نسیم آئی

برکت میں بہاروں کی ہم رشتہ ہے طوبیٰ سے
ظلمت میں خزاؤں کی یہ شاخ نہ مرجھائی

زیدیؔ یہ صداقت ہے ہوگی اسی مرکز سے
لالے کی حنا بندی، بلبل کی پذیرائی

فتحِ مبین

تیرے افسانے نے ثابت کر دیا اے کربلا
موت بھی انسانیت کا سر جھکا سکتی نہیں

خنجروں سے مٹ نہیں سکتا صداقت کا وقار
شمع کی ضو پر سیاہی فتح پا سکتی نہیں

تیغِ استبداد کی مکروہ بے رونق چمک،
روح کی تاریکیوں کو جگمگا سکتی نہیں

گر کہیں مسند نشیں بھی ہو بہ حسنِ اتفاق
بربریت صبر سے آنکھیں ملا سکتی نہیں

ہر یزیدِ وقت کی تقدیر ہے ذلت کی موت
کوئی تدبیر اس ہلاکت سے بچا سکتی نہیں

زندگی کی مانگ بھرتا ہے شہیدوں کا لہو
شمر کی دولت تو یہ اعزاز پا سکتی نہیں

زندہ و پائندہ ہیں اے کربلا تیرے شہید
قعرِ ذلت میں سسکتے ہیں مگر شمر و یزید

محبانِ حسینؓ کے نام

غمِ حسینؓ میں رونا بُرا نہیں لیکن
نہیں یہ ذکر فقط آنسوؤں کا افسانہ

گواہ اس پہ ہے دشتِ بلا کا ہر ذرّہ
کہ تھی اہلِ بیت کی ہر اک ادا شجاعانہ

بہادری کا مرقع ہے داستانِ حسینؓ
ہے حرف حرف مئے حریت کا پیمانہ

بجائے آہ و بکا صبر و شکر کی تلقین
بجائے شکوہ ہر اک ابتلا پہ شکرانہ

صدائے نالہ و ماتم کہاں کہاں وہ شہید
یقیں کرو۔ کہ یہ انداز ہیں غلامانہ

نہیں ہے جن کی گرہ میں متاعِ صبر و ثبات
کہے گا کون انہیں ابنِ علیؓ کا دیوانہ

مثالِ شمع فروزاں ہے اسوۂ شبیرؓ
یہاں دلیلِ محبت ہے عزمِ پروانہ

ان آنسوؤں کے عوض دل کا گرم خون بہاؤ نہیں حسینؓ کے قابل تمہارا نذرانہ

مزہ تو جب ہے اسی داستاں کو دہراؤ

یزیدِ وقت کو پیغامِ موت بن جاؤ

صبح نو

عروس وقت کے جھومر سے کچھ سنہری تار — مہ و نجوم کی پیشانیوں سے کچھ انوار
کرن سے نور گل و لالہ و سمن سے بہار — مۂ تمام کی شفاف چاندنی سے نکھار
ملے ہیں دامن احساس کے سجانے کو

نیا خیال، نئی روشنی، نئی محفل — نئی بہار، نئی زندگی، نئی منزل
نیا پیام، نئی رو، نئے دماغ و دل — نیا سفر ہے، نئی کشتیاں، نیا ساحل
نیا نظام ملا ہے نئے زمانے کو

بغیر چاند ستاروں کی رات ختم ہوئی — سیاہ پوش نظاروں کی رات ختم ہوئی
خزاں رسیدہ بہاروں کی رات ختم ہوئی — اٹھو کہ یاس کے ماروں کی رات ختم ہوئی
وہ آیا صبح کا قاصد ہمیں جگانے کو

اٹھو کہ محفلِ ہستی کا انصرام کریں　　　اٹھو اس اجڑے ہوئے گھر کا انصرام کریں

جو رہ گیا تھا ادھورا کبھی وہ کام کریں　　　طریقِ خالدؓ و طارقؒ کو پھر سے عام کریں

زمانہ بھولنے پائے نہ اس فسانے کو

ہمارا کارواں

ہمارا کارواں نہیں ہے گمرہوں کا کارواں — ہماری داستاں نہیں ہے بیکسوں کی داستاں

ہماری عظمتوں کا حال اندلس سے پوچھ لو — سوادِ ہند و ساحلِ طرابلس سے پوچھ لو

ہماری شان کے گواہ روم و مصر و شام ہیں — ہماری عظمتوں کے تذکرے جہاں میں عام ہیں

ہماری محنتوں نے بزمِ زندگی سجائی ہے — ہماری کوششوں سے شمعِ علم جگمگائی ہے

ہمارے اہتمام سے کھِلے ہیں گل چمن چمن — ہمارے انصرام سے جمی ہوئی ہے انجمن

ہمارے دل کے خون سے دمک رہی ہے کہکشاں — ہمارے میرِ کارواں کا فیض ہے جہاں جہاں

○

یہ اور بات ہے کہ لمحہ بھر کو تھم گئے تھے ہم — یہ اتفاق تھا کہ رک گئے تھے تیز رو قدم

یہ عالمِ خیال تھا ہماری بے حسی نہ تھی — یہ نیند کا خمار تھا عمل کی خامشی نہ تھی

مخالفوں کا شکریہ، کہ پھر جگا دیا ہمیں
ہمارا جو مقام تھا وہ پھر بتا دیا ہمیں

ہمارا کارواں بلندیوں کو روندتا ہوا
رواں ہوا ہے پھر مثالِ برق کوندتا ہوا

نہ بچ سکے گا جو ہمارے راستے میں آئیگا
تباہ ہوگا جو ہمارا زورِ آزمائے گا

ضیائے عزم زندگی ہمارے ہم رکاب ہے
صداقتوں کی روشنی ہمارے ہم رکاب ہے

٥

ہمارے دم سے پھر عروسِ امن مسکرائے گی
یہ تیرہ رات پھر سحر کے نور میں نہائیگی

نہ رہ سکے گی اب کسی جبیں پہ غم کی تیرگی
نہ اب کہیں بھی بے وقار ہو سکے گا آدمی

پھر آدمی کو آدمی کا مرتبہ دلائیں گے
ہم اس جہانِ خاک کو بہ طرزِ نو سجائینگے

ہمارے غازیوں کا خوں بنے گا غازۂ سحر
ہمارے دل کے نور سے دمک اٹھینگے دشت و در

یہ زندگی جو عصمتوں کے خوں سے داغدار ہے
یہ زندگی جو ظلم اور جفا سے بے وقار ہے

ہم اس کو پھر حریفِ مہر و کہکشاں بنائیں گے
صداقت اور امن کی ضیا سے جگمگائیں گے

ہمارا کارواں بلندیوں کو روندتا ہوا
رواں ہوا ہے پھر مثالِ برق کوندتا ہوا

اقبالؒ

مے خانۂ مشرق میں تھا رندوں پہ عجب دور
پیمانوں کی مے اور تھی ساقی کا مزاج اور
افسردہ تھے سینوں میں حمیت کے شرارے
مدت سے جبینوں پہ نہ چمکے تھے ستارے
تھی عصمتِ احساس نہ کچھ عظمتِ کردار
حد یہ کہ تھی بے کیف مے رومیؒ و عطارؒ
ساحل سے بہت دور تھے روحوں کے سفینے
رونق تھی نگاہوں میں نہ آباد تھے سینے

ο

اک مردِ خود آگاہ نے اس سحر کو توڑا

ساقی کو پشیماں کیا، رندوں کو جھنجھوڑا

اسرارِ خودی فاش کیا بزم میں آکر

پروانوں کو بیدار کیا شمع جلا کر

پھر گونج اٹھیں جام کھنکنے کی صدائیں

نغموں میں بدلنے لگیں دیوانوں کی آہیں

پھر ضعف نے احساسِ جوانی کو پکارا

پھر جہل نے ڈھونڈا اُسے عرفاں کا سہارا

اب قوم جو منزل کی طرف گرمِ سفر ہے

اس مردِ خود آگاہ کی آہوں کا اثر ہے

تو اپنے دل کو شبستانِ شاہداں نہ بنا

عجب نہیں. کہ یہی ان کی جلوہ گاہ بنے

راہِ وفا میں قدم قدم پر غم کے بگولے لہراتے ہیں
لیکن ہم دیوانے پھر بھی اپنی راہ چلتے جاتے ہیں
کل تک ان زلفوں کی خوشبو ساری محفل پر چھائی تھی
آج ہمارے چاک گریباں قلب و نظر کو گرماتے ہیں
تم سمجھے تھے حسن کا سورج یونہی چڑھتا جائے گا
دیکھ رہے ہو شام کے لمبے سائے کیونکر چھا جاتے ہیں
مشقِ خرامِ ناز کرو تم، اس سے کسے انکار ہے لیکن
یہ تو دیکھو کیسے کیسے دل پامال ہوئے جاتے ہیں
اس بے داغ وفا کا زیدی کیا اچھا انعام ملا ہے
آج ہم اپنے شیشۂ دل کو دیکھ کے خود بھی پچھتاتے ہیں

○

دلوں کا سوز بنے مرکزِ نگاہ بنے
وہ عشق کیا ہے جو پابندِ رسم و راہ بنے
جو اشک زینتِ دامن بنے ہوئے بے آب
جو لوح دل پہ گرے ماہِ نیم ماہ بنے
تو اپنے دل کو شبستانِ مشاہداں نہ بنا
عجب نہیں کہ یہی ان کی جلوہ گاہ بنے
مہ و نجوم سے بڑھ کر رہے زمانے میں
وہ دل جو ان کی محبت میں گردِ راہ بنے

جو میکدے میں تھے سرِ خیلِ میکشاں کل تک

خدا کی شان وہی آج دیں پناہ بنے

خیالِ محفلِ دل کی طرف رہے زیدی

نہ جانے کب کوئی تارِ نظر نگاہ بنے

○

جب کبھی گردشِ ایام کی بات آئے گی
درمیاں زلفِ سیہ فام کی بات آئے گی
چھوڑیئے بھی مری ویراں نگہی کا مذکور
پھر وہی حسن پہ الزام کی بات آئے گی
اک ذرا صبر ان آنکھوں میں بھی آنسو ہونگے
صبح کے نحر پہ بھی شام کی بات آئے گی
ہم کبھی آپ کی چتون کو نہ دیں گے الزام
ہاتھ جب تک دلِ ناکام کی بات آئے گی
زندگی دردِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
اس فسانے میں یہی کام کی بات آئیگی

پارسا ہو تو یہاں کس لئے آئے زیدی
میکدے میں تو مے و جام کی بات آئے گی

جو شمعِ داغِ محبت سے منہ چھپائیں گے
وہ اپنے دل میں کبھی روشنی نہ پائیں گے

ہم اپنی بزمِ تخیل الگ سجائیں گے
کسی کو یاد کریں گے نہ یاد آئیں گے

کسی کی چشمِ کرم کو تو آزما دیکھا
اب اپنے جذبۂ وحشت کو آزمائیں گے

اٹھو بہار کی رت آ گئی ہے دیوانو!
چلو چمن کو نئے طور سے سجائیں گے

یہ مہکی مہکی فضائیں پیام دیتی ہیں
کہ آج پھر وہ اسی راستے سے آئیں گے

اب اس چمن میں نشیمن بنا سکیں گے وہی
جو بجلیوں کے تڑپنے پہ مسکرائیں گے
نشیب ہے تو یہ موجیں نہ رک سکیں گی کبھی
فراز ہے تو یہ طوفاں بھی سر اٹھائیں گے

○

محبت کی کوئی منزل نہیں ہے
محبت موج ہے ساحل نہیں ہے
مری افسردگی پر ہنسنے والے
ترے پہلو میں شاید دل نہیں ہے
ہے دل کو اعتبار اس بیوفا کا
مگر کچھ اعتبارِ دل نہیں ہے
مری الفت کو جھٹلاؤ گے کیوں کر
یہ ہرگز قصہ باطل نہیں ہے
قدم رکتے ہیں کیوں بزمِ جہاں میں
مسافر! یہ تری منزل نہیں ہے

غمِ الفت کا شیدائی ہوں زیدیؔ
غمِ ہستی مرے قابل نہیں ہے

دلِ صد چاک کو اپنے جو تڑپانے بھی آئیں گے
وہی اپنے جلو میں لے کے میخانے بھی آئیں گے

خدارا تم نہ چھیڑو میری بربادی کا افسانہ
کہ اس کے ساتھ ہی یاد اور افسانے بھی آئیں گے

تم آجاؤ تو پھر حاجت ہی کیا ہے جام و مینا کی
تمہارے ساتھ تو کتنے ہی میخانے بھی آئیں گے

تجھے اے رہ رو راہِ محبت کون سمجھائے
انہی آبادیوں میں غم کے ویرانے بھی آئیں گے

خرد سو سو دفعہ سجدے کریگی جن کے قدموں پر
تمہاری بزم میں کچھ ایسے دیوانے بھی آئیں گے

اجالا ہے تصور کی حدوں میں جن کے عارض کا
وہ اپنے گوشۂ عزلت کو چمکانے بھی آئیں گے
غرورِ پارسائی کی حفاظت چاہیئے زیدی
جھکے گا خود بخود سر ایسے کاشانے بھی آئیں گے

○

لطفِ قیام ہے مرے پہلوئے داغدار میں
"آ اثرِ نشاط دیکھ جلوہ گہہِ بہار میں"

پوچھ نہ کس نشاط سے گزری ہے مدتِ حیات
آگیا لطفِ زندگی موت کے انتظار میں

تیری رضا کا دوسرا نام ہے میری آرزو
میرا تو اختیار بھی ہے ترے اختیار میں

غم بھی کرم سہی مگر حال تو میرا دیکھئے
بخششِ بے حساب اور دامنِ تارتار میں

آج بھی ہیں اسی طرح دام و قفس کے تذکرے
خون کی بو نہ چھپ سکی نکہتِ لالہ زار میں

خوں بھی بہے تو خوب ہے سجدۂ شکر چاہیے
زلف کا عکس ہو اگر دیدۂ اشک بار میں

○

دل بیابانِ الم بھی ہے پری خانہ بھی
یہ وہ دنیا ہے جو بستی بھی ہے ویرانہ بھی

چشمِ ہشیار ہے کشکولِ گدائی لیکن،
عالمِ جذب میں ساقی بھی ہے پیمانہ بھی

محتسب میرے گناہوں کی کتابیں مت کھول
تیرا قصہ ہی نہ نکلے مرا افسانہ بھی

واہ کیا بات ہے اعجاز محبت تیری
سر بھی شانوں پہ ہے سنگِ درِ جانانہ بھی

رہ روِ جادۂ تسلیم و رضا ہوں زیدیؔ
اب عبادت ہے مری لغزشِ مستانہ بھی

نہ کمالِ عہدِ شباب ہے نہ حصول حسن و جمال ہے
تمہیں دلنواز بنا دیا یہ مری نظر کا کمال ہے

تھی فضول رحم کی التجا، مجھے رنج ہے۔ کہ یہ کیا کیا
تری بے رُخی کا گلہ نہیں وقارِ دل کا ملال ہے

نہ تلاشِ لطفِ وفا مجھے نہ شکایتِ غمِ دو جہاں
مرے دل کا حال عجیب ہے نہ ملول ہے نہ بحال ہے

نہ سمجھ سکا کوئی آجتک تری جلوہ گاہ کے راز کو
کوئی اک نگاہ کا منتظر، کوئی کب سے محوِ خیال ہے

وہ قبول ہے۔ کہ فضول ہی مجھے کیا خبر مجھے کیا غرض
میں دعا کو ہاتھ اٹھاؤں کیوں مری آبرو کا سوال ہے

تمہیں پا کے زیدیؔ خستہ جاں مجھے مل گیا سکونِ دل
نہ کسی کو مجھ سے غرض رہی نہ مجھے کسی کا خیال ہے

دنیا میں دل کشی ہے نہ حسن و جمال ہے
جو دیکھتا ہے تیری نظر کا کمال ہے

سمجھے اگر حقیقتِ گلزارِ کائنات
یہ واقعہ نہیں ترا حسنِ خیال ہے

سمجھا ہوں جب سے قیمتِ دردِ جگر کو میں
ہر ساعتِ فراق پیامِ وصال ہے

جو داغِ معصیت ترے ماتھے سے دھو سکے
کوثر نہیں ترا عرقِ انفعال ہے

جنت کے واسطے بھی نہ پھیلاؤں گا میں ہاتھ
یہ رسمِ دوشِ غیرتِ دل پر وبال ہے

زیدیؔ یہی سمجھ ہے تو تجھ پر ہزار حیف

تو اور ہمنوائے دل پر ملال ہے

○

نہ آنکھوں میں آنسو نہ لب پر ہنسی ہے
تری زندگی بھی کوئی زندگی ہے
مجھے اپنے دل سے بھلا دینے والے
تری یاد سرمایۂ زندگی ہے
محبت میں آنسو بھی ہیں قہقہے بھی
یہی دوستی ہے یہی دشمنی ہے
اسے لوگ دیوانہ کہتے ہیں اکثر
جسے اپنے احوال سے آگہی ہے
ہیں تیرے سوا سب کی آنکھوں میں آنسو
بتا ہنسنے والے یہ کیسی ہنسی ہے

محبت کے نغمے سناتا ہوں زیدیؔ
محبت جو ایک نغمۂ سرمدی ہے

ان حسیں ولولوں کی تب و تاب میں جلد ہی اپنی منزل کو پالیں گے ہم
اب ہمارے سنبھلنے کا کیا ذکر ہے پوری انسانیت کو سنبھالیں گے ہم

روحِ آزادی

وقت اپنی طربناک آواز میں گنگناتا رہا نغمۂ زندگی

جگمگاتی رہیں علم کی مشعلیں جھلملاتی رہی عقل کی روشنی

لات وعزیٰ کے تاریک احساس میں نورِ عرفاں تجلی دکھاتا رہا

جہل کے سرد سایوں پہ چھائی رہی ماہِ ادراک کی پرسکوں چاندنی

بربریت کی تیغیں جھنجھنتی رہیں کند ہوتے رہے ظلم کے تیشے

نرم سینوں کی ڈھالیں ابھرتی رہیں عزم کے بازوؤں میں نئی آئی کجی

پھول رقصاں رہے کشتِ امید میں گدگداتی رہیں روح کو کونپلیں

طے ہوا کیں خیالات کی منزلیں یونہی پروان چڑھتا رہا آدمی

کچھ بھی حالات کا رخ ہو ان دنوں بڑھ رہی ہے اسی شان سے زندگی

یہ تمنائیں رخشاں ہیں ہر گام پر یہ محاکات ضوبار ہیں آج بھی

مضمحل سی حرارت سے احساس کی آج بھی کانپتے ہیں پہاڑوں کے دل

آج بھی داغ دیتی ہے فولاد کو چشمِ مظلوم کے آنسوؤں کی نمی

نعرۂ ہارونؑ و موسیٰؑ کی للکار سے اب بھی بے خواب ہیں نیل کی وادیاں

اب بھی لرزاں ہیں سیجوں پہ سیمیں بدن آج بھی مضطرب ہے ہر اک سامری

اب بھی بے بس ہیں فرعون کی طاقتیں کند ہے آج بھی ذہن ہامان کا

اب بھی بت صداقت کی تنویر سے مٹ رہی ہے سیاست کی جادوگری

کل بھی مہکائینگے رنگ کے گلستاں کل بھی دمکے گا چہروں کا کنچن یونہی

صاف کہتے ہیں تیور خیالات کے کارواں اور آگے بڑھے گا ابھی

کل بھی اس زندگی کے چمن زار میں مات کھائیگی بے رحم ظالم خزاں

مٹ سکیگا نہ پھولوں کا یہ بانکپن چھن سکیگی نہ کلیوں کی یہ تازگی

بجلیاں ظلم کی لاکھ تڑپا کریں کچھ نہ ہوگا بگولوں کی تکرار سے

دائمی ہے ہمارے چمن کا سکوں، دائمی ہے شگوفوں کی کومل ہنسی

جشنِ آزادی

ہری کنج بیلوں میں خوش رنگ کلیاں　　در و بام پر نور برسا رہی ہیں
شفق رنگ پھولوں کی جگمگ قطاریں،　　گلابی دریچوں پہ لہرا رہی ہیں

★

لرزتے ہیں گل پوش دیوار و در پر　　خروش اجالوں شامل کے دلکش ترانے
کہ جیسے کوئی نیم خوابیدہ ساحر　　کہے خواب کی بستیوں کے فسانے

★

سجائے ہیں فطرت نے رحمے فلک پہ　　سنہری شعاعوں کے زرکار جھومر
نگاہوں کو ٹھنڈک سی پہنچا رہا ہے،　　چراغوں کی جھلمل قطاروں کا منظر

★

تمدنی کے مجسرت قلب و نظر پر — مئے حرّیت کا نشہ چھا رہا ہے
نشانِ امن کا جگمگاتا ہے جس پر — وہ پرچم بلندی پہ لہرا رہا ہے

★

مگر اس حسین زندگی کے جلو میں، — یہ کچھ سسکیوں کی سی آواز کیوں ہے
کچھ آنکھوں میں اشکوں کی دھندلاہٹیں کیوں — دلوں میں دھڑکنے کا انداز کیوں ہے!

تکمیلِ آزادی

(پاکستان کے اولیں جشنِ جمہوریہ پر لکھی گئی)

وہ شمع آج سرِ بزم جگمگا اٹھی
ملا تھا جس کو شہیدوں کے خوں سے نورِ حیات

چھپا لیا تھا جسے دامنِ حوادث نے
نگل رہی تھی جسے شیطنت کی کالی رات

کھلی فضا میں بھی آسودگی سے دور رہے ہم
نہ مل سکی تھی پرانی خباثتوں سے نجات

بندھے بندھے سے تھے بازوؤں کے رکے تھے قدم
تھا تیرگی کی تہوں میں ہمارا عزم و ثبات

طلسم ٹوٹ گیا آج ان اندھیروں کا
ہوئے شکست سیہ بختیوں کے لات و منات

نکھر گئے ہیں در و بام قصرِ ہستی کے
ہوا ہے خشک ہمیشہ کو چشمہ ظلمات

نگہ کے سامنے ہے آج منزلِ مقصود
ملا ہے اپنی مسرت کو آج رنگِ ثبات

روش روش ہے درخشاں چمن چمن شاداب　　　عروس وقت نے دی ہے بہار کی سوغات

بلند پرچم اسلام ہے فضاؤں میں

مہک ہے صدق و مساوات کی ہواؤں میں

نئی زندگی

کی نہ تھیں صبحِ نو نے گل افشانیاں، جب یہ رنگیں فضا تیرہ و تار تھی

جب دلوں میں خلش کے سوا کچھ نہ تھا، جب نگہ ضبطِ غم سے گرانبار تھی

جب خیالوں کے یہ دیپ روشن نہ تھے، جب بہاروں کے دامن مہکتے نہ تھے

جب تخیّل کی جنت میں امید کے مرغزاروں میں مہکتے لہکتے نہ تھے

جب جہالت کے سایوں میں محبوس تھی علم کی عقل کی عشق کی روشنی

موت کا اک بھیانک سا تاریک سا خواب تھی یہ ہماری حسیں زندگی

جب غلامی کے بازار میں بے اثر ہو کے نیلام ہوتی تھی جنسِ وفا

جب مصائب سے گھبرا کے سادنت بھی کم سوادوں کو کہتے تھے اپنے خدا

ہم نے سی دور میں بھی بلندی کی جانب ہی رکھا تھا اپنی نگاہوں کا رُخ
اپنی منزل کی جانب رہے گامزن ہم نے دیکھا نہ تھا کجکلاہوں کا رُخ

ہے۔ حول میں بھی ہماری جبیں نورِ احساس سے جگمگاتی رہی
ہم نے ویراں نہ ہونے دیا روح کو دل کی دنیا سدا جگمگاتی رہی

ہم نے سیے غضب کے طوفاں میں بھی شمعِ دل کو گل نہ ہونے دیا
ہم نے غیروں کی جانب نہ دیکھا کبھی رحمتِ ایزدی پر بھروسہ کیا

ہم نے ظلمت سے رشتہ نہ جوڑا کبھی ایسی توہین ہرگز گوارا نہ کی
ہر قدم پر ہماری تگ و تاز سے سربلند اور معزز رہا آدمی

اب تو پھیلی ہوئی ہے افق تا افق حریت کے مہ و مہر کی روشنی
اب تو سایہ فگن ہے در و بام پر اک نیا ہمہمہ اک نئی زندگی

اب تو مایوسیوں کی گھٹن یاس کی تیرگی کا نشاں تک بھی باقی نہیں
اب تو روشن امیدوں کی تنویر سے جگمگانے لگی ہے ہماری زمیں

اب تو نغموں میں کچھ اور پیغام ہے اب تو سینوں میں آباد ہے اک جہاں
اک نئی شان سے ہو رہی ہے رقم صفحۂ دہر پر اک نئی داستاں

ان حسین ادوار کی تب و تاب میں جلد ہی اپنی منزل کو پالیں گے ہم
اب ہمارے سنبھلنے کا کیا ذکر ہے پوری انسانیت کو سنبھالیں گے ہم

پیامِ زندگی

یہ بے بسی یہ تمنا کی زندگی کب تک
جو ہو گئے خوگرِ احساس کمتری کب تک
زمانے آپ کو سمجھے گدا کب تک
اٹھو اٹھو کہ تمہیں زندگی بلاتی ہے

•

جوانیوں نے نئی محفلیں سجائی ہیں
شجاعتوں نے نئی مشعلیں جلائی ہیں
خزاں کے بعد بہاریں پیام لائی ہیں
اٹھو اٹھو کہ تمہیں زندگی بلاتی ہے

•

وہ آسمان پہ ابھرے ہیں کچھ نجوم نئے
عمل کی راہ میں بکھرے ہیں کچھ علوم نئے
تجلیات کے پنگھٹ پہ ہیں ہجوم نئے
اٹھو اٹھو کہ تمہیں زندگی بلاتی ہے

سیاہ رات گئی، آفتاب آیا ہے　　ہر ایک ذرّے میں اک انقلاب آیا ہے
ذرا نظر تو اٹھاؤ، شباب آیا ہے　　اٹھو اٹھو کہ تمہیں زندگی بلاتی ہے

•

جنونِ عشق، غمِ زندگی کا چارا ہے　　اگر تمہیں بھی یہ دیوانگی گوارا ہے
تو کائنات میں جو کچھ بھی ہے تمہارا ہے　　اٹھو اٹھو کہ تمہیں زندگی بلاتی ہے

پاکستان

مشرق کے تاریک افق پر ابھرا ہے پھر چاند ستارا

دور ہوئی صدیوں کی اداسی بہہ نکلا پھر نور کا دھارا

خاموشی کا جادو ٹوٹا، وقت نے پھر اک کروٹ بدلی

آزادی کے نغمے لہکے، گونج اٹھی پھر وادی وادی

بستی بستی پھیل گئے ہیں ارمانوں کے روشن سائے

بھاگ رہا ہے غم کا اندھیرا، ظلم و ستم کی لاش اٹھائے

سلطانوں کے رنگ محل کی شمعوں نے دم توڑ دیا ہے

جگمگ کرتے تاجوں کے ہیروں نے چمکنا چھوڑ دیا ہے

وقت کے روندے کچلے انساں اب پھر سے ذیشان بنینگے

پھر ان کی تنظیم ہوئی ہے جو ذرّے طوفان بنیں گے

چوڑے چکلے سینوں میں پھر ارمانوں کے حشر اٹھے میں
باہمت خوددار جواں پھر کل کی باتیں سوچ رہے ہیں
زیدیؔ اب دنیا کو کوئی میرا یہ پیغام سنا دے
اس طوفاں کی راہ نہ روکے اس آندھی کی سمت نہ دیکھے
روکے سے اس طوفاں کی موجوں کا زور زیادہ ہو گا
یہ طوفان مخالف سے ٹکرانے پر آمادہ ہو گا

کاشمیر

نرم رو جہلم، حسیں ڈل، اے سجیلے شالیمار　　اے ڈل کے آئینے، اے دیوداروں کے وقار

اے چناروں کی گھنیری چھاؤں اے دلکش فضا　　اے بنفشہ کی مہک اے عطر میں ڈوبی ہوا

اے حسیں کھیتوں کی سبزی، زعفران زاروں کے روپ　　ہلکی ہلکی چاندنی اے کوسی کوسی زرد دھوپ

اے شفق کے سرخ آنچل اے افق کی روشنی　　اے ستاروں کی چمک اے چاند کی تابندگی

آبشاروں کے مدھر نغمات اے ندیوں کے گیت　　اے وفا کی سادگی اے عشقِ بے پروا کی ریت

اے منور حسن اے کلیوں کی پیشانی کے نور　　اے مقدس عزم اے انسانِ کامل کے شعور

چوڑیوں کی میٹھی لوری، اجلی پائل کی چھنک　　کاشمیر اے مادرِ گیتی کے جھومر کی چمک

کس میں دم ہے اب تجھے نیچا دکھا سکتا ہے کون

تیرے بیٹوں سے بھلا پنجہ ملا سکتا ہے کون

بنامِ اہلِ چمن

افق پار دھندلے دریچوں میں پھر صبح کی روشنی جھلملانے لگی ہے
پھر انساں کا خوابیدہ احساس جاگا اندھیروں کو پھر نیند آنے لگی ہے
زمانے کی گندھی نے پھر آکے کھولے ہیں ہر شاخ پر رنگ و بو کے قرابے
پھر اک بار غنچوں کے لب وا ہوئے ہیں بہاروں کی محنت ٹھکانے لگی ہے
ہر اک موڑ، ہر رہگذر، ہر روش پر مچلتے ہیں نغمے، دمکتی ہیں کرنیں
محبت کو پھر زندگی مل گئی ہے، عروسِ وفا مسکرانے لگی ہے
وہ دیکھو روانہ ہوا عہدِ نو اپنی زرکار رہلی کے پردے سجا کر
ہر عفریت خود منفعل ہو رہا ہے شیاطیں کو غیرت سی آنے لگی ہے

تم ایسے سے اپنی تاریک خلوت میں تقدیر کے معجزے چن رہے ہو

تصور کے بے رنگ سایوں میں گم ہو خیالات کے جال ہی بن رہے ہو

کوئی عزم، کوئی ارادہ، کوئی غم ہویدا نہیں ہے تمہاری جبیں سے

کہ جیسے ہو اک جسدِ بے روح تم سب کچھ دیکھتے ہو نہ کچھ سن رہے ہو

کبھی کلبلاتا بھی ہے تم میں کوئی تو خنجر چلاتا ہے اپنے ہی دل پر

اور اس پر غلط فہمیوں کا یہ عالم کہ اپنی ہی باتوں پہ سر دھن رہے ہو

۞

سنو! وقت کا آخری فیصلہ ہے قدم اب نہ روکیں گی ہرگز بہائیں

رہیں گے جو قید اپنی ویرانیوں میں، اسی قید میں عمر ساری گذاریں

اعتراف

اداس رات کی تاریکیاں سمٹ نہ سکیں

سسک رہے ہیں اجالے سحر کے دامن میں

گلوں کے کنج تر و تازگی سے ہیں محروم

خزاں کا راج نظر آ رہا ہے گلشن میں

ہر ایک شاخ پہ یورش ہے برقِ آہن کی

چمک رہے ہیں شراروں کے پھول گلبن میں

کوئی امید، کوئی روشنی نہیں پاتے

عجیب غبار سا ہے، زندگی کے آنگن میں

○

مگر سوال تو یہ ہے کہ سے سنیر بہار

بس ایک حرف شکایت ہے بس خزاں کا علاج

یہ زخم دل کی نمائش یہ اشک یہ آہیں!

یہ بے بسی کے بہانے یہ بے دلی یہ نراج!

ترے خیال میں گر نا گزیر بھی ہوں گے

نہ دے خدا کیلئے اپنے اس چلن کو رواج

غبار اور بڑھاتا ہے زندگی کی گھٹن!

دھوئیں سے اور بگڑتا ہے تیرگی کا مزاج

٥

خزاں تو دل کی حرارت سے مات کھاتی ہے

یہ روشنی ہی شگوفوں کو گدگداتی ہے

سوال

یہ حسیں جنگل، سنہری کھیت، اجلے آبشار
گنگناتی وادیاں، یہ جگمگاتے کوہسار

امن اور انصاف کی یہ پُرسکوں سی بستیاں
رنگ و نکہت کے امیں، فردوس منظر لالہ زار

یہ عظیم الشان گنبد، پُرجلال اونچے کلس
یہ مقدس خانقاہیں، یہ شہیدوں کے مزار

○

یہ محبت کی ضیاء، یہ آدمیت کا سہاگ
میری ماؤں کا تقدس، میری بہنوں کا وقار

یہ شجاعت، یہ لگن، یہ درد، یہ بیداغ عزم
یہ وفا، یہ جانثاری، یہ مروت کا شعار

سادگی میں حسن کے جلووں کی تصویر جمیل
یہ مرا مشرق جیالے نوجوانوں کی کچھار

○

کیا غلامی کے نجس سائے میں آجائے گا یہ
کیا کبھی پھر شیطنت سے مات کھا جائے گا یہ

غلامی

میں نہ گھبراؤں اگر غم تیر برسانے لگے

میں نہ خم کھاؤں گر آفت سر پہ منڈلانے لگے

خوش رہوں گر چھین لے قدرت مری آنکھوں کا نور

خوش رہوں پھر بھی اگر دل جل اٹھے مانندِ طور

مر رہا ہوں زندگی سے ٹوٹ جائے میری آس

ایسے عالم میں بھی دیکھو گے مجھے تم بے ہراس

مشکلیں سارے جہاں کی میرے سر پر آ پڑیں

عشق کی ناکامیاں تسلیم دل کو لوٹ لیں

جس سے الفت ہے مجھے وہ بھی بچھڑ جائے اگر

یعنی بزمِ زندگی میں مجھ کو تنہا چھوڑ کر

موت کی تاریکیوں میں وہ پری رو ہو نہاں
اور میرے واسطے سنسان ہو جائے جہاں،
ہجر کی آہیں خوشی سے ضبط کر سکتا ہوں میں
گر ضرورت آپڑے بے موت مر سکتا ہوں میں
مجھ سے لیکن دکھ غلامی کا سہا جاتا نہیں
ٹھوکروں میں غیر قوموں کی رہا جاتا نہیں

صبحِ عید

آج ہر لب پہ درخشندہ ہے حسن کی ضو — ایسے انداز سے ابھرا ہے فلک پر مہِ نو

جلوہ فرما ہے صدیوں کی روایات کا نور — کس بلندی پہ نظر آتا ہے مسلم کا شعور

ہر جبیں سجدوں کی تنویر سے گہنائی ہوئی — ہر نظر شرم کی عظمت سے جلا پائی ہوئی

ضبط و تنظیم کے انوار سے سینے شاداب — ہر گھڑی پیشِ نظر صبر و رضا کے آداب

سادہ چہروں سے ہویدا ہے کچھ ایسا ایثار — پھوٹے جس طرح گلِ تازہ سے خوشبو کی پھوار

سرنگوں پرچمِ طاغوت نظر آتا ہے — اہرمن عجز سے قدموں میں گرا جاتا ہے

آج عظمت کا وہ احساس ہے انسانوں میں — غلغلہ جس کا ہے فردوس کے ایوانوں میں

دل کی محراب میں جلتے ہیں امیدوں کے چراغ

مژدۂ انتم الاعلون سے روشن ہیں دماغ

تحیر

(قائدِ اعظمؒ کے یومِ وفات پر)

طلوعِ مہرِ درخشاں کے بعد بھی آخر
وطن کی راہ گذاروں میں تیرگی کیوں ہے
یہ کوہسار یہ گلشن اداس اداس ہیں کیوں
نسیمِ صبح کے جھونکوں میں آگ سی کیوں ہے
لٹا لٹا ہے بہاروں کا کیوں سہاگ آخر
یہ سوگوار چمن کی کلی کلی کیوں ہے
یہ کیوں سلگتے ہیں پلکوں پہ آنسوؤں کے شرر
لبوں پہ مہرِ خموشی لگی ہوئی کیوں ہے

ابھی تو نورِ لسانی تھی شمعِ عزم و ثبات
اب اس کی لو سرِ محفل بجھی بجھی کیوں ہے
دہک رہے تھے جو الا تمہارے سینوں میں
کہو تو آج یہ احساس کی کمی کیوں ہے
ہے کارواں کو ابھی میرِ کارواں کی تلاش!
مسافروں کی نگاہوں میں بے بسی کیوں ہے؟

○

غروبِ نجم سحر تو ہے روشنی کا پیام
بلند عزم مسافر! کچھ اور تیز خرام

آہ قائدِ ملّت

(قائدِ ملت لیاقت علی خاں کی شہادت پر)

اک اور تابناک ستارہ ہوا غروب
پھر آسمانِ دل پہ اندھیرا سا چھا گیا
پھر شمع آرزو کی ضیا ڈوبنے لگی
پھر نیّرِ امید دھندلکے میں آ گیا
دھندلا گئے نگاہ میں منزل کے پھر نشاں
اک اور موڑ جادۂ ہستی میں آ گیا
اے فخرِ قوم! تیری جدائی کا حادثہ
کس درجہ تیری قوم کو غمگیں بنا گیا

ایسے ہی کچھ سوال ابھرتے ہیں ذہن میں
کیا شمع آرزو کی ضیا ڈوب جائے گی
یہ آخری کرن جو ہماری نظر میں ہے
کیا موت کی نگاہ سے بچ کر نہ آئے گی
لیکن مجھے یقین ہے کہ میری عظیم قوم
بے خوف ہو کے دل پہ یہ چرکہ بھی کھائیگی
ہوں گے بلند اور بھی کچھ اس کے حوصلے
اس کی نگاہ اور بلندی پہ جائے گی

ہ

تاریخ جانتی ہے ہر اک رزمگاہ میں
رکھا ہے فلسفہ یہی ہم نے نگاہ میں

تجھے لے پرتوِ خورشیدِ تاباں
مآلِ قطرۂ شبنم نہ بھولے

دل میں ان کی یاد تھی لب میں ان کا نام تھا

منزلِ حیات میں یہ بھی اک مقام تھا

کیا ہوا۔ کہ آج کل نام کو وفا نہیں

دوستو یہ نور تو زندگی میں عام تھا

اک جہانِ حسن تھا غم سمجھ لیا جسے

داغِ دل کہا جسے ، ماہِ ناتمام تھا

منزلِ جفا سے بھی یوں گذر کے آئے ہم

مہر نجمِ صبح تھا ، مہ چراغِ شام تھا

ہم تو خیر خوگرِ رنج و درد ہی سہی

یہ بتائیے یہاں کون شاد کام تھا

چھوڑیئے بھی کس لئے اپنے لب سلے رہے
کیا بتائیں آپ کو کس کا احترام تھا

کون کر سکا ہے حل زندگی کے مسئلے
ہم نے کچھ کہا سنا، اک خیال خام تھا

○

ان کے دلِ مغرور کا ارماں نہ رہے ہم
پھر بھی غمِ الفت سے گریزاں نہ رہے ہم

جب سے انہیں دیکھا ہے سرِ بزمِ تخیّل
پروانوں کے جل مرنے پر حیراں نہ رہے ہم

ہر شاخ ہے پھولوں سے تہی، حسن سے محروم
محسوس یہ ہوتا ہے۔ کہ انساں نہ رہے ہم

چھن جائے گی کلیوں کے تبسّم کی لطافت
جس دن غمِ الفت کے نگہباں نہ رہے ہم

پہلے ہی فضا میں وہ گھٹن سی ہے۔ کہ توبہ
کیا ہوگا جو محفل میں غزل خواں نہ رہے ہم

گو ایک ہی ساعت رہے اس بزم میں زیدیؔ
مانندِ چراغِ تہہِ داماں نہ رہے ہم

نہ بن سکیں گے تمھارے بغیر وجہ قرار
یہ چاندنی کی لطافت، یہ فصلِ گل کا نکھار

عجب ہی شان سے آئی ہے اس برس تو بہار
ہر ایک شاخ پہ رقصاں ہیں بجلیوں کے شرار

کسی کے کاکل و رخسار کی گواہی ہے
جبینِ شام سے پھوٹیں گے صبح کے آثار

اگر حکایتِ سود و زیاں کا عِلم بھی ہو
کہاں ہر ایک کو ملتی ہے جرأتِ گفتار

یہ شامِ غم۔ کہ جہاں منزلوں اداسی تھی
تمھارے دم سے نظر آ رہی ہے صبحِ بہار

کسی کے قامتِ دلکش کا کیا بیاں زیدیؔ
ہوا سے جھوم کے رہ جائے جیسے شاخِ چنار

دامن میں جز متاعِ غمِ دو جہاں نہیں
پھر بھی تری طلب، طلبِ رائگاں نہیں

یوں تو اک اضطرابِ مسلسل ہے زندگی
لیکن تمہارے غم کی بدولت گراں نہیں

انجان بن کے پوچھ رہے ہیں ہمارا حال،
جیسے ہمارا حالِ دل ان پر عیاں نہیں

آخر یہ دن بھی آ ہی گیا راہِ شوق میں
ویرانیوں میں دل کی کوئی کارداں نہیں

زیدی کسے سنائے اہلِ وفا کا حال!
دل وقفِ اضطراب ہے لب پر فغاں نہیں

ہائے انجامِ محبت آہ تاثیرِ جمال !
دل کے ویرانے میں تنہا رہ گیا ان کا خیال

اور کیا ہے اے خدائے حسن محفل میں تری
ظلمتوں کی برہمی یا روشنی کا انفعال

ہم نے مہر و ماہ کو بے نور دیکھا ہے یہاں
اب ہمیں آتا نہیں ذرّوں کی پستی پہ ملال

ہم سے پوچھو بجلیوں کی داستاں ہے زندگی
ان شفق زادوں کو کیا معلوم جینے کا مآل

کون ہے دنیا میں زیدیؔ اپنے غم سے آشنا
کس سے کہئے دل کی باتیں کس سے کیجے عرضِ حال

دل کو مثالِ شمعِ فروزاں بنا دیا
کیا حال تونے اے غمِ جاناں بنا دیا

تھا عالمِ سکوت میں گلشن ترے بغیر
تونے کلی کلی کو غزل خواں بنا دیا

جو داغ ہے مثالِ گلِ نوشگفتہ ہے
الفت نے دل کو صحنِ گلستاں بنا دیا

تم کیا گئے اجڑ سی گئی محفلِ خیال،
قلب و نظر کو گوشۂ ویراں بنا دیا

بخشا ہجومِ کثرتِ آلام نے سکوں
تم نے خود اپنے درد کو درماں بنا دیا

زیدی ہمارے جذبۂ وحشت نے عشق کو
افسانۂ حیات کا عنواں بنا دیا

حسنِ خود بیں وفا شعار کہاں
دامنِ گل کہاں، شرار کہاں

کس کو سمجھوں انیسِ تنہائی
تو بھی اے شمع سوگوار کہاں

ان کے وعدوں کا اعتبار تو خیر
خود ہمیں اپنا اعتبار کہاں

دامن زہد بھی ہوا ہے چاک
منہ چھپائیں گناہگار کہاں،

ہمدمو! کوئی آرزو نہ رہے
کیا خبر آئے پھر بہار کہاں

یہ بھی انداز دلستانی ہے
وہ جفاؤں پہ شرمسار کہاں،
دل، کہ اک مشتِ خاک ہے زیدی
بن نہ رہ جائے یہ غبار کہاں!

تری زلفوں کے پیچ و خم نہ بھولے
بھلا سکتے تھے لیکن ہم نہ بھولے

تجھے لے پر توئے خورشید تاباں
مآلِ قطرۂ شبنم نہ بھولے

بہت کچھ یاد ہے اس بھولنے پر
بھلا دینے کو ہم کچھ کم نہ بھولے

مجھے سارا زمانہ بھول جائے
مگر ان کا دلِ برہم نہ بھولے

شبِ غم کے اندھیرے میں بھی زیدی
ہم ان کے حسن کا عالم نہ بھولے

○

تری خاطر ہمیشہ غم کو سمجھا ہے خوشی ہم نے

محبت میں نہ جانا زندگی کو زندگی ہم نے

کریں کس منہ سے شکوہ دوستوں کی بیوفائی کا

ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ کی ہے دوستی ہم نے

خدارا دل کے زخموں پر کہیں مرہم نہ رکھ دینا

انہی شمعوں سے روشن کی ہے بزمِ زندگی ہم نے

حجابِ ناروا نے کر دیا یوں عام جلووں کو

ہر اک ذرے میں دیکھی ہے تری تابندگی ہم نے

سمجھتے ہیں غمِ الفت کا جو انجام ہے یعنی

ہوا کے رخ پہ رکھا ہے چراغِ زندگی ہم نے

○

ہاتھ کھنچنے لگا جفاؤں سے
ہار مانی مری وفاؤں سے
کیا خبر کس کو چاہتا ہے کوئی
کون واقف ہے دل کی راہوں سے
خوب سوجھا خیال توبہ کا
دل جب اکتا گیا گناہوں سے
ضبط نے آکے دستگیری کی
کام اپنا چلا نہ آہوں سے
ہے غنیمت یہ بیکسی زیدی
آپ اچھے ہیں کجکلاہوں سے

زخمِ تیرِ نگہ ناز کے قابل ہوگا
ایک مدت میں یہ مجموعۂ خوں دل ہوگا

اپنے رخسار کو آئینۂ ہستی میں نہ دیکھ
ٹوٹ جائے گا اگر تیرے مقابل ہوگا

کچھ تو ہے محفلِ ہستی میں اندھیرے کا سبب
شمع افسردہ نہیں ہے تو مرا دل ہوگا

کچھ نہ کچھ بن کے رہا جاتا ہے اس دنیا میں
تو کہ بسمل نہیں بنتا ہے تو قاتل ہوگا

ڈوب جائے گا جہاں اپنا سفینہ زیدی
بحرِ الفت میں وہی دامنِ ساحل ہوگا

وہ ایک داغ جو قابیل کے شعور پہ تھا
وہ داغ آج بھی ہے فکرِ زندگی کی اساس

یہ ماحول

میرے محبوب تصور کی حسیں تصویرو!

دیکھنا غم کے اندھیرے میں نہ دھندلا جانا

میرے گلزارِ تخیل کی منور کلیو!

دیکھنا وقت کی آندھی میں نہ کملا جانا

اے مرے عزم، مری روح، مرے دل، مرے ذہن،

کسی فرعون کی سطوت سے نہ خم کھا جانا

تخت پر خوں ہے، تاریک ہے رشتۂ راہ

اس پہ افسردہ ہیں، آزردہ ہیں یارانِ سفر

پڑ ہیں داغوں سے گراں ڈیل جواں کے ضمیر
نہ تخیل میں بلندی نہ نگاہوں میں اثر
صبح امید کی رونق نہ امنگوں کی شفق
جس طرف جائیں اندھیروں سے الجھتی ہے نظر

ذہن عظمت کے چراغوں کی ضیاء سے محروم
قلب ایماں کی حرارت کے لئے شکوہ گذار
نہ شراروں میں حرارت نہ ستاروں میں چمک
نہ دریچوں میں چراغاں نہ بغیچوں میں بہار
بستیوں پر کسی مہمل سی عبارت کا گماں
جیسے تاریخ کے کھنڈرات میں قوموں کے مزار

اف یہ احساس کا افلاس، یہ بے حس ماحول
نہ کہیں حسن تخیل ہے، نہ حسن تقریر

سرد سینوں میں درندوں کا سا سفاک عناد
سب کی نظروں میں ریا اور ہوس کی تحریر
نہ جبینوں میں کوئی نور، نہ محرابوں میں
جیسے اک سرد سیہ رات ہے اپنی تقدیر

بوڑھے گدھ کا پیغام

یہ بات سچ ہے کہ برہم ہے تیرگی کا نظام
ابل پڑے ہیں نئی روشنی کے فوارے
اُبھر رہے نگاہوں سے جلوۂ مہِ نو
لپک رہے ہیں جہالت کی دھند پر تارے
جلی ہیں علم کی شمعیں اداس راہوں میں
رواں دواں نظر آتے ہیں نور کے دھارے

مگر تم اے مرے بیٹو ذرا نہ گھبراؤ
نہ بن سکیں گے یہ انوارِ آشتی کی دلیل

رچی رہے گی یونہی بو لہو کی سانسوں میں
خیالِ امن ہمیشہ یونہی رہے گا ذلیل
پنپ رہے ہیں اسی روشنی کے سینے میں،
ہلاکتوں کو جلو میں لئے نئے قابیل

یہ آدمی جو ستاروں پہ ڈالتا ہے کمند
جو مہر و ماہ کی عظمت سے مانگتا ہے خراج
جو بحر و بر کی طنابیں لئے ہے ہاتھوں میں،
ہے کائنات کے ہر خشک و تر پہ جس کا راج
خود اس کی روح ابھی تیرگی کی قید میں ہے
جنوں کے پنجۂ خونیں میں ہے خرد کا مزاج

وہ ایک داغ جو قابیل کے شعور پہ تھا
وہ داغ آج بھی ہے فکرِ زندگی کی اساس

وہی دلیل کے بدلے میں وار خنجر کا

وفا کے خون میں ڈوبا ہوا وہی احساس

دمک رہے ہیں دلوں میں غرض کے انگارے

ہر ایک ذہن پہ چھایا ہوا ہے خوف و ہراس

یونہی فضا میں تعفن کے گھونٹ پاؤ گے

تم اس کا گوشت یونہی نوچ نوچ کھاؤ گے

انتباہ

بلندیوں کے خداؤ، خوشی کے دیوانو
غرور و کبر کی تاریکیوں کے پروانو
تمہیں خبر بھی ہے کچھ رُت بدلنے والی ہے
اب اپنی فکر کرو رات ڈھلنے والی ہے

بڑھا وہ جام و سبو، قاصدِ سحر آیا،
جبینِ وقت پہ کرنوں کا جال ابھر آیا
نہ نام پائے گی اب زندگی کا ظلم کی خو،
نہ چھپ سکے گا اندھیروں میں عصمتوں کا لہو،

وہ رات ختم ہوئی جس میں تم پنپتے تھے
ہرن ہوا وہ نشہ جس میں تم بہکتے تھے

سمجھ سکو تو زمانے کا صاف اشارہ ہے

ہر ایک راج محل آج پارہ پارہ ہے

ڈرو۔ کہ غیرتِ شیرواں کو جوش آیا ہے

ڈرو۔ کہ آج پھر انساں کو ہوش آیا ہے

گھروندے

اپنے تاروں بھرے آسماں کیلئے
جگمگاتے ہوئے آستاں کیلئے
چاہتے ہو اگر اور بھی روشنی
چاہتے ہو اگر اور بھی کچھ دیے

لو ہر اک سمت بکھرا ہوا نور ہے
زندگی چاند تاروں سے معمور ہے

چھین لو حسن کا دل نشیں بانکپن
لوٹ لو کہکشاں کی بھری انجمن،
تاجِ زہرہ کے ہیروں کی ضو چھین لو
چھین لو مشتری کی نرالی پھبن

لیکن اس شوقِ بے انتہا کیلئے

یہ گھروندے نہ توڑو خدا کیلئے

ان گھروندوں میں جز بیکسی کچھ نہیں

ان گھروندوں میں جز خامشی کچھ نہیں

دیکھنے کو جو تھوڑی بہت دلکشی،

وہ بجز ذہنی خوشی کچھ نہیں

یہ گھروندے اداس اور بے نور ہیں

زندگی کی چٹانوں کے ناسور ہیں

مدتوں آمریت نے لوٹا انہیں

مدتوں قیصریت نے روندا انہیں

پھر جمہوریت ان میں کیا رہ گیا

مدتوں بربریت نے کچلا انہیں

یاس ان سب گھروندوں کو اپنا چکی

غم کی دیمک ہر اک چیز کو کھا چکی

یہ گھروندے ہیں کچھ بے زبانوں کے گھر

بدنصیبوں کے گھر، بے ٹھکانوں کے گھر

ان میں جز شمع داغِ جگر کچھ نہیں،

ہیں یہ محنت کشوں اور کسانوں کے گھر

لوٹنے سے انہیں ہاتھ آئے گا کیا

آسماں داغ سے جگمگائے گا کیا

دشمن کے نام

میں کہ اک زلفِ گرہ گیر کا سودائی تھا آتشِ شوق کے شعلوں کا تماشائی تھا
محو تھا گلشنِ افکار کی رنگینی میں کھو گیا تھا تری گفتار کی شیرینی میں
تجھ سے دشمن کو سمجھتا تھا دل و جاں اپنا اک درندے کو بنایا تھا نگہباں اپنا

اے مجھے بے کس و مجبور سمجھنے والے میری مظلوم غریبی سے الجھنے والے
میرے جذبات کو بیدار کیا خوب کیا اپنی فطرت سے خبردار کیا خوب کیا
جو حقیقی تھا وہ رُخ تو نے دکھایا تو سہی بے نقاب آج مرے سامنے آیا تو سہی

خوش نہ ہو اب ترے رہنے کا زمانہ آیا جو تری قبر بنے گا، وہ ٹھکانہ آیا

رحم آتا ہے مجھے تیری پریشانی پر　　اک شکن روز بڑھے گی تری پیشانی پر

تو نے لوہے کو تپایا ہے۔ کہ تلوار بنے　　ضبط کو آہ بنایا ہے۔ کہ گفتار بنے

میرے دشمن مئے پندار پلاتا مجھ کو

تھپکیاں دے کے محبت کی سلاتا مجھ کو

اے موت

میں نہیں کہتا کہ عہدِ نوجوانی میں نہ آ

میں نہیں کہتا کہ دورِ شادمانی میں نہ آ

میں نہیں کہتا ابھی کچھ اور جینے دے مجھے

میں نہیں کہتا شرابِ شوق پینے دے مجھے

اے اجل! اپنا بھیانک گیت گا کر دیکھ لے

تو مری بے باکیوں کو آزما کر دیکھ لے

تیری آتش بار آنکھوں سے نہ گھبراؤں گا میں

تیرے خوں آشام پنجوں سے لپٹ جاؤں گا میں

○

لیکن اے بے رحم ڈائن! یوں دبے پیروں نہ آ
کوئی ہنگامہ مرتب کر، کوئی طوفاں اٹھا
عیش کے بستر پہ دم توڑوں یہ ہو سکتا نہیں
میں متاعِ زندگی کو مفت کھو سکتا نہیں
لا ہزاروں برچھیاں اک میرے سینے کیلئے
سینکڑوں طوفاں اٹھا میرے سینے کیلئے
کیا مسکینِ گوشۂ گمنام سمجھا ہے مجھے
کیا کوئی بزدل، کوئی ناکام سمجھا ہے مجھے
تو مجھے تیغوں کے سائے میں تڑپتا پائے گی
پھر ترے ہمراہ جاؤں گا اگر تو آئے گی

٥

دُعا

شمع کی لو پہ رقصاں دھویں کی انی
میرے احساس کو خونچکاں کر گئی

پھر مرے دل کے ناسور رِسنے لگے
اک خلش پھر مجھے نیم جاں کر گئی

روشنی اور اندھیروں کی زد پر رہے
حسنِ فطرت پہ الزام سے کم نہیں

یوں سیاہی کے عفریت پلتے رہیں
اس سے بڑھ کر جہاں میں کوئی غم نہیں

سخت نفرت ہے اس تیرگی سے مجھے
دل کے زخموں کی شمعیں جلاتا ہوں میں

اپنے غم، اپنی بے چارگی بھول کر
دوسروں کے لئے مسکراتا ہوں میں

اے خدا میرا یہ عزم باقی رہے
تیرگی سے کبھی مات کھاؤں نہ میں،

میرے ایقاں کا فردوس ویراں نہ ہو
اپنی محفل کی شمعیں بجھاؤں نہ میں

عزم

چپ لگی ہے لبِ فطرت پہ کئی صدیوں سے

آؤ احساس کے ہونٹوں کی صدا بن جائیں

اپنے اجسام کو قیمت کے حوالے کر دیں

صفحۂ دہر پہ آغازِ وفا بن جائیں

گرمِ خوں نذر کریں پھول کھلانے کیلئے

جاگ اٹھے جس سے گلستاں وہ صبا بن جائیں

توڑ دیں یاس کے ملعون اندھیروں کا طلسم

دل میں جلتی ہوئی شمعوں کی ضیا بن جائیں

٥

اک کرن چیر کے ابھری ہے اندھیرے کا جگر
اب اسے صبح کا عنوان بنانا ہے ہمیں
فتح پانی ہے امڈتی ہوئی تاریکی پر
شمع احساس کو آندھی سے بچانا ہے ہمیں
جن کے ماحول پہ چھائی ہے نخوت کی کلونس
انہی تاریک گھروندوں کو سجانا ہے ہمیں
جو جھلکتی ہے ابھی ذہن کے سناٹے میں
اسی فریاد کو احساس بنانا ہے ہمیں

مرا جہانِ خراب

بہار کی دلنواز دیوی نے میرے کچھ خواب چن لیے ہیں
شفق کے دامن میں جگمگاتی ہے میرے گیتوں کی دیپ مالا
مرا تخیل دمک رہا ہے فلک پہ تاروں کا نور بن کر

مرے تصور کی جوت سے ہے جبینِ مہتاب میں اجالا
مرے جہاں میرے بحر و بر پر نہیں کسی کی بھی حکمرانی
میں اپنے قدموں میں دیکھتا ہوں کئی سمندر کئی ہمالے
یہ زندگی جس کی وسعتوں میں ہزار عالم سمائے ہے ہیں
مری نگاہوں نے بارہا اس کا گوشہ گوشہ کھنگال ڈالا
مرے جہاں میری جنتوں میں نہ تم کبھی بار پا سکو گے
تمھاری نظریں نہ توڑ پائیں گی میرے فکر و نظر کا ہالا

تپاں جگر ہوں کہ آنسوؤں میں بھی مشک و عنبر گھلے ہوئے ہیں

مسرتوں کی لطیف مے سے چھلک رہا ہے مرا پیالہ

روحِ اتحاد فریادی ہے

میں نے بخشی تھی تجھے دولتِ فکر و احساس
میں نے دی تھی ترے گلشن کو وفا کی بوباس
تیری نس نس میں رچی ہے مرے نغموں کی مٹھاس

اجنبی! تو مجھے پہچان رہا ہے کہ نہیں!

یہ ترے سرِ فلک محل، یہ گل پوش چمن
یہ شفق رنگ دریچے، یہ سنہری چلمن
میں نے دی ہے تری دنیا کو یہ رونق یہ پھبن

اجنبی! تو مجھے پہچان رہا ہے کہ نہیں!

ہے ابھی تک مرے دل میں وہی الفت وہی پیار
ہے ابھی تک مرا دستور خلوص و ایثار

آج بھی ہے مری نظروں میں وہی رنگ بہا

اجنبی! تو مجھے پہچان رہا ہے کہ نہیں!

تیری نظروں میں یہ وحشت سی رچی کیسی ہے
طنز کے زہر میں ڈوبی یہ ہنسی کیسی ہے
آج یہ بُعد یہ بیگانہ روی کیسی ہے

اجنبی! تو مجھے پہچان رہا ہے کہ نہیں!!

نوحۂ غم

(استادِ محترم علامہ تاجورؔ کی وفات پر)

آج دیوانگیٔ دِل کا عجب عالم ہے
دامنِ فکر پہ اشکوں کی نمی پاتا ہوں
آج یہ بزم ادھوری سی نظر آتی ہے
آج دنیا کی ہر اک شے میں کمی پاتا ہوں

○

کیا مناسب تھا کہ پھولوں سے مہک چھن جاتی
ہے کچھ اس سے بھی سوا آپ کا دنیا سے سفر
اک فقط میں ہی نہیں آپکے صدمے سے نڈھال
خود مشیت کی جبیں عرقِ ندامت سے ہے تر

ابھی تابندہ، درخشندہ و پائندہ تھے

کس کا دل لاؤں کہ میں آپ کو مرحوم کہوں

کیسے مانوں کہ جہاں میں نہ رہی روحِ حیات

کس طرح انجم و خورشید کو معدوم کہوں

o

آپ تو ایک حقیقت تھے، حقیقت رہتے

آپ کے جی میں یہ کیا آئی کہ افسانہ بنے

اس لئے شمعِ حقیقت کو ضیا بخشی تھی

اس لئے بزم سجائی تھی کہ ویرانہ بنے

آپ اک فرد نہ تھے بزم تھے اک دنیا تھے

شاید اب علم کی ایسی کوئی دنیا نہ بنے

آپ نے جان کے توڑا نہ کبھی شیشۂ دل

آپ سے کوئی گلہ مند ہو ایسا نہ بنے

o

تاجورلیسے وفادار سے کی تونے دغا
کون اے لیلیٰ ہستی ترا دیوانہ بنے

شاخِ نہالِ عیش پر نیند کسے نہ آئے گی

لطف تو جب ہے برق کی گود میں آشیاں بنے

○

مستور کے واسطے کوئی مے خانہ چاہیئے
اور درمیانِ کعبہ و بت خانہ چاہیئے

شیخ اور تم! خدا کے لیے غور تو کرو !!
ان پیارے پیارے ہاتھوں میں پیمانہ چاہیئے

معلوم ہیں ہمیں بھی یہ ساری حقیقتیں
افسانہ چاہیئے ، کوئی افسانہ چاہیئے

ساقی سے تشنگی کی شکایت فضول ہے
اس میکدے میں جرأتِ رندانہ چاہیئے

شاہی کا انحصار نہیں ملک و مال پر
گر مل سکے طبیعتِ شاہانہ چاہیئے

زندگی خود اپنے دم کا بھروسہ نہیں تو پھر
اپنے سوا کسی کا بھروسہ نہ چاہیے

کیسے بیگانے سے بیٹھے ہیں تری محفل میں ہم

کیا کہیں کیا کیا پشیماں ہو رہے ہیں دل میں ہم

اب یہ عالم ہے ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں

جانے کیا کیا حسرتیں رکھتے تھے اپنے دل میں ہم

کم نہیں ہیں قیصر و جم سے بہ ایں بیچارگی

دل سی دولت ڈال دیں گے دامنِ سائل میں ہم

یاس کی تاریکیوں میں بھی نہیں رکتے قدم

چلتے چلتے آ گئے ہیں اب تو اس منزل میں ہم

لاکھ طوفانِ حوادث اپنی قوت آزمائے

منہ چھپائیں گے نہ زیدی دامنِ ساحل میں ہم

کیوں دست کش بہار میں ہوں گلستاں سے ہم
واقف ہیں زور پنجۂ برق تپاں سے ہم

اے دوست شکوۂ غم بے چارگی معاف
واقف نہ تھے ابھی ستم دوستاں سے ہم

واں سارے گلستاں پہ قیامت گذر گئی
الجھے رہے خیال بہار و خزاں سے ہم

کہتی ہے ان کی مصلحت آموز خامشی
وہ بات جو نہ کہہ سکے اپنی زباں سے ہم

زیدیؔ بس اب خدا کے لئے اور کچھ نہ کہہ
مرعوب ہو گئے ترے زور بیاں سے ہم

لطف اسی میں ہے، کہ تو ہمدم و مہرباں بنے
میں تیرا رازداں بنوں، تو میرا رازداں بنے
شاخِ سہالِ عیش پر نیند کسے نہ آئے گی
لطف تو جب ہے برق کی گود میں آشیاں بنے
بندۂ عشق ہوں، مجھے سود و زیاں سے کیا غرض
میری بلا سے زندگی سود بنے، زیاں بنے
میں ہمہ تن قرار ہوں اے مرے بے قرار دِل
قوتِ ضبط کس طرح درد کی ترجماں بنے
تنگ ہیں میرے واسطے کون و مکاں کی وسعتیں
میرے لئے تو اے خدا اور ہی اک جہاں بنے

پلٹے نگاہِ شوق پر گر ہی پڑا نقابِ رُخ
اپنی طرف سے لاکھ تم زینتِ لامکاں بنے

ستم کچھ اور بھی ہوائے نگاہِ یار ابھی
خرد کے ہاتھ میں ہے دامنِ قرار ابھی

مری نہ پوچھ۔ کہ دیوانۂ محبت ہوں
مرے چمن میں خزاں ہے ابھی بہار ابھی

شبِ فراق ہے آ کچھ کہیں سنیں مل کر
سحر تو دور ہے اے شمع سوگوار ابھی

نگاہِ شوق کے اب تک وہی تقاضے ہیں
نہیں گیا ترے وعدوں کا اعتبار ابھی

کسی کے بغض و کدورت سے کیوں ڈریں زیدیؔ
ہمارے شیشۂ دل پر نہیں غبار ابھی

○

کٹی ہے عمر بمشکل دلِ خراب کے ساتھ
رہا ہوں بزمِ جہاں میں بڑے عذاب کے ساتھ

ہے سوزِ نغمہ کا مطرب کی انگلیوں پہ مدار
سرور و کیف کو نسبت نہیں رباب کے ساتھ

حساب یہ ہے، کہ تو بے حساب اشک بہا
نہیں ملے یہ دُرِ بے بہا حساب کے ساتھ

سکونِ قلب میسّر ہوا ہے مشکل سے
رہِ حیات میں کھیلا ہوں اضطراب کے ساتھ

مجھے شکایتِ غم ہو تو کس لئے زیدی،
کہیں چراغ خوش آتا ہے آفتاب کے ساتھ

کاش جینے کا کوئی اور سہارا ہوتا
یوں جو ہوتا تو نہ یہ حال ہمارا ہوتا

آج ہم ان کی عنایات کے قابل ہوتے
بارِ ذلت جو طبیعت کو گوارا ہوتا

مطمئن ہیں۔ کہ ترے غم کا نہیں کوئی علاج
ہم تڑپتے اگر اس درد کا چارہ ہوتا

جانے کیا شے ہے جو سینے میں بھڑک اٹھی ہے
آنسوؤں میں نہ چمکتا جو شرارہ ہوتا

ایسی گردش میں بھی قائم ہے مرا دل زیدی
ٹوٹ کر خاک پہ گرتا جو ستارہ ہوتا

غموں کی فوج چڑھی سیلِ اضطرار آیا
ہمارے دل میں تو جو آیا بے قرار آیا

ہزار حیف ہے ناصح تری نصیحت سے
کسی کے شیشۂ دل پر اگر غبار آیا

ضیائے حسن سے سینے میں دل چمک اٹھا
یہ کون شمع صفت برسرِ مزار آیا

اب اور اس سے سوا کیا وفا کرے گا کوئی
ترا خیال مجھے قبر میں اتار آیا

ہمیں تو راس نہ آئے خوشی کے دن زیدی
اسیر ہو گئے جب موسمِ بہار آیا

مسکرائے گا اسیرِ زلفِ عنبر فام کیا
نغمہ پیرا ہوگا مرغِ روح زیرِ دام کیا

کافروں کے سامنے لیجے خدا کا نام کیا
بتکدے میں آکے باندھے گا کوئی احرام کیا

کون سے رستے پہ جا نکلے کسے معلوم ہے
عاقلوں کو اعتبارِ ابلقِ ایام کیا

اک سکوتِ مضمحل چھایا ہوا ہے ہر طرف
زندگی نے سن لیا ہے موت کا پیغام کیا

شعلۂ برقِ فنا سے کوئی بچ سکتا نہیں
ان کی محفل کیا، ہمارا گوشۂ گمنام کیا

آج پھر بدلی ہوئی ہے سارے عالم کی فضا
آگیا اُن کے لبوں پر پھر ہمارا نام کیا
وہ بہت خود آشنا ہیں میں بہت خوددار ہوں
دیکھئے ہوتا ہے زیدیؔ عشق کا انجام کیا

○

کیا فائدہ بالیں پہ اگر چارہ گر آئے
وہ آئیں تو آرام کی صورت نظر آئے

وہ ذوقِ نظر چاہیئے اے دیکھنے والے
کانٹا بھی مثالِ گلِ خوشتر نظر آئے

ہم نے تری چوکھٹ کے سوا سر نہ جھکایا
گو منزلِ ہستی میں بہت بام و در آئے

یوں آتے ہیں اکثر وہ سرِ بزمِ تخیل
جس طور سے گلشن میں نسیمِ سحر آئے

تو بحرِ حوادث کا شناور ہو تو زیدیؔ
ہر موج کی آغوش میں گوہر نظر آئے

ہے راہِ عشق میں خلشِ خار بھی بہت
ہو اہلِ دل تو لذتِ آزار بھی بہت

اے رہ نوردِ آبلہ پائی کا غم نہ کر
آئیں گے تیری راہ میں گلزار بھی بہت

بازارِ زندگی میں نکلنے کی دیر ہے
یوسف ہے تو، تو تیرے خریدار بھی بہت

ساقی! سبھی کو مستِ مئے سرخوشی نہ جان
بیٹھے ہیں تیری بزم میں ہشیار بھی بہت

کیا فائدہ جو ساتھ میں ہو بزدلوں کی بھیڑ
ہوں اہلِ دل تو ہوتے ہیں دو چار بھی بہت

یثرب نگر کا اک سگِ آوارہ حال ہوں

زیدیؔ مجھے تو سایۂ دیوار بھی بہت

○

منہ پھیر کر گذر۔ کہ نگاہیں بدل کے چل
لیکن نہ میری حدِ نظر سے نِکل کے چل

منزل رسی نہیں تری کج رہ روی کا نام
غافِل! کسی خیال کے سانچے میں ڈھل کے چل

کانٹوں سے پڑ نہ جائے کہیں تیرا واسطہ
پھولوں کو یوں نہ پائے حقارت سے مل کے چل

ان مسکراہٹوں میں کہاں ہے وہ بے خودی
ساقی خدا کے واسطے تیور بدل کے چل

محدود جان فرصتِ مشقِ خرامِ ناز
یوں بے نیازِ ہوش نہ ہو جا سنبھل کے چل

اشکِ بیتابی بہلنے دو مجھے
مفت کے موتی لٹانے دو مجھے
داغِ حسرت کے بڑھانے دو مجھے
بزمِ دل کو جگمگانے دو مجھے
مت دلاؤ یاد، کیا ہوں کون ہوں
اب یہ قصہ بھول جانے دو مجھے
چاہتا ہوں سب کا دل مسرور ہو
ساری محفل کو رُلانے دو مجھے
کچھ تو ہلکا ذہن سے ہو بارِ غم
حالِ دل ان کو سنانے دو مجھے

پھر سے بے ارماں کوئی آئے قریب

پھر کسی کو آزمانے دو مجھے

اور ہو جاؤں گا زیدی سربلند

وہ مٹاتے ہیں مٹانے دو مجھے

تو نے پروان چڑھایا ہے جہانبانوں کو

تو وہ ہستی ہے تری گود میں کھیلے ہیں رسولؐ

حضرت اسمارؓ کی نصیحت

لشکرِ حجاج جب صحنِ حرم تک چھا گیا
جب چراغِ صدق طوفانوں کی زد پر آ گیا
جب بقائے حق کی ہر تدبیر نے کھائی شکست
جب صداقت کو یقینی سی نظر آئی شکست
جب کوئی بازو نہ پایا تیغِ جوہر دار نے
جب کوئی ساتھی نہ دیکھا یثربیؐ سردار نے
جب ہر اک صورت سے تنہا رہ گئے ابنِ زبیرؓ
جب نظر آئے انھیں اپنوں کی صورت میں بھی غیر
ایسی تنہائی میں اس بیچارگی کے رنگ میں
ان کی اک جا نظر آئی ہجومِ جنگ میں

ا؎ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

بے کسی میں یاد آیا مادرِ مشفق کا پیار
چھپ گیا تھا خزاں کی گرد میں روئے بہار
ذہن میں جیسے ہی آیا اس تقدس کا خیال
لوحِ دل سے مٹ گیا ہر ایک غم ہر اک ملال
اس توجہ اس عنایت اس مقدس پیار سے
کھل گئے تخیّل میں چاروں طرف گلزار سے
حضرتِ اسماءؓ بھی مثلِ ماہیِ بے آب تھیں
فرقتِ فرزند میں بے چین تھیں بیخواب تھیں
لوحِ دل کو چھو رہی تھی غم کے شعلوں کی زباں
ہر طرف چھائی ہوئی تھیں یاس کی تاریکیاں
مامتا مجروح تھی زخمی دلِ ناکام تھا
اُن کی نظروں پر عیاں اس جنگ کا انجام تھا
ایسے عالم میں نظر آئی جو بیٹے کی جھلک
چھا گیا رنگِ خوشی از فرش تا بامِ فلک

یوں نظر آیا کہ جا کر لوٹ آیا ہے شباب
یا نہاں ہو کر ابھر آیا ہے قرصِ آفتاب
لیکن اس ماں اس امینِ غیرتِ اسلام نے
بزمِ ہست و بود کی اس شمعِ خوش انجام نے
مامتا کو صبر اور غیرت کے سر سے وار کر
پیار کی جا اپنے بیٹے سے کہا للکار کر
اے مری غیرت کے پالے اے مرے دل کے قرار
جنگ کے میداں سے اتنی دور کیوں ہی شہسوار؟
سورما تلوار کے سایے سے کتراتے نہیں
فتح سے پہلے بہادر اپنے گھر آتے نہیں،
ماں کی باتیں سن کے بولے حضرت ابن زبیرؓ
ہو نہیں سکتی ترے بیٹے کی حالت ایسی غیر
میں اگر آیا ہوں میدانِ وغا سے تیرے پاس
مادرِ مشفق! نہیں اس کا سبب خوف و ہراس

تیرا بیٹا ایسا بے توقیر ہو سکتا نہیں
بزدلی کے تیر کا نخچیر ہو سکتا نہیں
میں اگر آیا ہوں اے ماں اس گھڑی تیرے حضور
اس کا باعث ہے مزاج جنگ کا نقص و فتور
توڑ دی ہے میرے نیزے کی انی تقدیر نے
کر سے پہلو بچایا ہے مری تدبیر نے
ہمدم و دمساز اک اک کرکے رخصت ہو گئے
سارے گوہر موت کی تاریکیوں میں کھو گئے
ڈوبتے ہیں موجۂ خوں میں مرے سینے کے داغ
آخری لو دے رہے ہیں بجھنے کو ہیں محفل کے چراغ
ترکشِ تدبیر میں باقی نہیں اک تیر بھی
اب تو جیسے چھن گئی ہے آہ سے تاثیر بھی
اب مروت کی ضیا الفت کی خو باقی نہیں
دل کے روشن آبگینوں میں لہو باقی نہیں

ہاں یہ صورت اب بھی باقی ہے بچالوں اپنی جاں
شامیوں کی فوج کا سردار دیتا ہے اماں
آپ کی خدمت میں آیا ہوں کہ کچھ سمجھائیے
ایسی تاریکی میں کوئی راستہ دکھلائیے
حضرتِ اسماءؓ نے فرمایا کہ اے نورِ نظر
مجھ سے بہتر ہے تجھے اپنے کوائف کی خبر
تو اگر حق پر ہے اے میری محبت کے غرور
پھر تو اس حق کی حفاظت چاہیئے نزدیک و دور
بن کے بزدل تو نہ بن آلِ امیہ کا غلام
مردِ حر بن، مردِ حر ہوتا ہے دنیا کا امام
اور اگر حق پر نہیں پھر جو ترا جی چاہے کر
زندگی کی بھیک لے یا بیکسی کی موت مر
یہ نصیحت سن کے یوں گویا ہوئے ابنِ زبیرؓ
جانتی ہیں آپ باطل سے ہے مجھ کو کیسا بیر

حق پرست و حق شناس و حق نگر ہے میرا دل
رزمِ خیر و شر میں غیرت کی سپر ہے میرا دل
میں نے باطل کے خداؤں کو کبھی مانا نہیں
ظلم کے تیروں کو اپنا آسرا جانا نہیں
حق کی خاطر موت سے پنجہ لڑا سکتا ہوں میں
مسکرا کے اپنے دل پر تیر کھا سکتا ہوں میں
لیکن اے ماں اس تصور سے نہیں دل کو قرار
مسخ کر ڈالیں گے میری لاش کو یہ نابکار
جن کو قدرت نے عطا کی ہے نگاہِ راز جو
جانتے ہیں ماں کا دل ہے زندگی کی آبرو
یہ ہے الفت کا خزینہ یہ ہے تختِ ذوالجلال
یہ ہے فطرت کی تجلی یہ ہے معراجِ جمال
اس نگر میں علم کی ضوپیار کی تنویر ہے
یہ نگر احساس کی منہ بولتی تصویر ہے

ماں سے غم دیکھا نہیں جاتا کبھی اولاد کا
مامتا کی آنچ پگھلاتی ہے دل فولاد کا
لیکن اس ماں اس مقدس دخترِ اسلام نے
اس وفا کی روح اس زینت دہ ایام نے
اپنے بیٹے سے بصد الفت کہا سن اے پسر!
بعد مرنے کے تجھے کیا ہوگی ذلت کی خبر
ذبح ہو جائے تو بکری کو نہیں ہوتا خیال
ذبح کرنے والے کیونکر کھینچتے ہیں اسکی کھال

فرض اور محبّت

عورت :

روشنی ہے دلِ مایوس میں تیرے دم سے
اے مرے بخت کے تابندہ ستارے مت جا
ایک تو ہے جسے دنیا میں کہا تھا اپنا
میری ناکام امیدوں کے سہارے مت جا
تو نہ ہوگا تو ہر اک چیز رلائے گی مجھے
پھونک دیں گے غمِ فرقت کے شرارے مت جا
بجلیاں کوندرہی ہیں مجھے ڈر لگتا ہے
چھوڑ کے بحرِ حوادث کے کنارے مت جا

وہ سیہ خانۂ مغرب سے دھواں سا ابھرا
رات پر تول رہی ہے مرے پیارے مت جا
زندگی تیری رفاقت سے درخشندہ ہے
میرے محبوب! مرے دل کے سہارے مت جا
کس کو معلوم پھر احساس وفا ہو۔ کہ نہ ہو
ساغر دل میں مئے ہوش رُبا ہو۔ کہ نہ ہو

مرد:

اے حسینہ! تجھے تقدیسِ وطن کی سوگند
اب نہ بھڑکا مرے سینے میں محبت کے شرار
لا اٹھا لا، مری تلوار چھپائی ہے کہاں
اپنے ہاتھوں سے سجا میرے بدن پر ہتھیار
میں مجاہد ہوں مجھے اذنِ وغا دے پیاری
خون اور زخم ہیں مردوں کی جوانی کا سنگار
میں تری شان بڑھانے کے لئے جاتا ہوں
غم نہ کر اے مرے گلزارِ محبت کی بہار

چاہتا ہوں ترے چہرے کی ضیاء ماند نہ ہو
نہ پڑے کاکلِ مشکیں پہ غلامی کا غبار
کیا کہا چین نہ آئے گا تجھے میرے بغیر
کیا کہا ہجر میں ہو جائے گا جینا دشوار
کیا کہا آنکھ سے آنسو نہ تھمیں گے اک پل
کیا کہا دل کو نہ آئے گا کبھی صبر و قرار
ہاں یہی ریت تو ہے پریت کے دیوانوں کی
عشق آواز ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی

تمھارا نیا روپ

تم سرو سمن سے بڑھ کر ہو تم لالہ و گل پر بھاری ہو

تم اپنی دمک اور خوشبو میں اس پوری فضا پر طاری ہو

گر تم سے تقابل کیجے تو دامانِ بہاراں کچھ بھی نہیں

یہ سنبل و ریحاں کچھ بھی نہیں یہ جشنِ نگاراں کچھ بھی نہیں

بلبل نے تمھارے ہونٹوں ہی کی کوئی بات چرالی ہے

آئینۂ گل کی ضو میں تمھارے ہی رخسار کی لالی ہے

کاکل کی نشیلی خوشبو نے مہکایا ہے گلزاروں کو

جھومر کی سنہری کرنوں نے لوری دی ہے چاند ستاروں کو

○

لیکن اپنی اس زینت کو بازار میں کیوں لے آئی ہو

گستاخ ہے بدکاروں کی نظر کیا تم کوئی ہرجائی ہو؟

یہ سستا پن مت اپناؤ خود اپنے گھر کا نور بنو،

بجلی کا چلن کیوں بھایا ہے مانندِ چراغِ طور بنو

ہر لفظِ وفا کی روح تم ہی، تقدیسِ محبت تم سے ہے

نیکی کی محافظ تم ہی تو ہو، ایثار و مروت تم سے ہے

تم وہ ہو تمھارے سائے میں سادات نیا دل پاتے ہیں

تم وہ ہو تمھاری دعا لے کر غازی تلوار اٹھاتے ہیں

دنیا کو سجایا تھا تم نے مریمؑ بن کر سیتا بن کر

پھر مہکا دو اس وادی کو کبریٰؓ بن کر زہراؓ بن کر

خاتونِ مشرق کے نام

سن اے بنتِ مشرق سن اے ماہ پارے
سن اے آسمانِ وفا کے ستارے

ہمیں ناز ہے پارسائی پہ تیری
ہمیں فخر ہے باوفائی پہ تیری

حیا فیض پاتی ہے تیری ردا سے
ستارے چمکتے ہیں تیری ضیا سے

بہاروں کو ہنسنا سکھایا ہے تو نے
جہنم کو جنت بنایا ہے تو نے

o

مگر اے وفا اور محبت کے پیکر
نہیں آج یہ طرزِ اخلاص بہتر

جوانوں کی غیرت کو نیند آ گئی ہے
محبت گناہوں سے شرما گئی ہے

یہ عزت کے ڈاکو، یہ زر کے پجاری
یہ مردود، یہ صید سرمایہ داری

انہیں اپنی زلفوں کی بو مت سنگھانا
نہیں تیری آغوش ان کا ٹھکانا

سیہ کار کیوں تجھ سے آنکھیں ملائیں
خطاکار رحمت سے کیوں فیض پائیں

اے بنتِ حوّا

تو نے پروان چڑھایا ہے جہانبانوں کو
تو وہ ہستی ہے تری گود میں کھیلے ہیں رسولؐ
تیری تقدیس کی قرآں نے گواہی دی ہے
تیرے اوصاف ہیں مریمؑ کی حیا صدقِ بتولؓ
تیرے ہاتھوں ہوئی آئینِ وفا کی تدوین
تیرا ہر لفظ ہے دنیائے محبت کا اصول
مصحفِ گل میں نہ ہو گر ترے چہرے کی جھلک
اس کا نظارہ نہ ہو دیدۂ بینا کو قبول
تیرے سانسوں کی مہک سے ہے معطر دنیا
تو ہے گلزارِ مسرت کا مہکتا ہوا پھول

پاک ہے دامنِ جبریلؑ سے بھی تیری ردا
خود کو یوں کوچہ و بازار کی زینت نہ بنا!

عورت

تو مثالِ مہِ نو، نور فشاں رہتی ہے
جگمگا اٹھتا ہے ماحول جہاں رہتی ہے
کہکشاں تیری حسیں مانگ کی تحریرِ خفیف
صبحِ صادق ترے رخسار کا اک عکسِ ضعیف
گیت کی روح پہ طاری تری پائل کی چھنک
مہ و خورشید کی رونق ترے جھومر کی چمک
تیرے پاکیزہ تنفس سے مہکتی ہے بہار
تیری نظروں سے ابلتی ہے محبت کی پھوار
تو ہے احساس کا سرمایہ شجاعت کا غرور
تو ہے الفت کی ضیا عزم کی ضو علم کا نور

بزمِ ہستی میں ترے دم سے بہار آئی ہے
صحنِ گیتی میں ترے دم سے ہی رعنائی ہے
لیکن اے مادرِ فطرت کے مقدس شہکار
تیرے اعزاز کا اس شرط پہ ہے دارومدار

○

داغِ عصیاں سے ترا دامنِ دل پاک رہے
صاف ہر گرد سے آئینۂ ادراک رہے

جنت عورت کے بغیر

مطربِ فطرت نے جب چھیڑا ستارِ خامشی
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھرا کے تارِ خامشی

پھوٹ نکلے رنگ کے چشمے جہاں میں چار سو
وادیٔ تاریک کہلائی جہانِ رنگ و بو

جاگ اٹھا سینۂ فطرت میں طوفانِ شباب
چھا گیا بڑھ کر سکوتِ زندگی پہ اضطراب

خار پھولوں کے دلوں میں چٹکیاں بھرنے لگے
نجم نو مہتاب سے چشمک زنی کرنے لگے

چھا گئے نغمات دنیا پر بہاروں کی طرح
جگمگا اٹھے اندھیرے دل ستاروں کی طرح

وسعتِ کون و مکاں میں نور پھیلایا گیا
شمع تک بے تاب پروانوں کو پہنچایا گیا

○

قلبِ آدمؑ تھا مگر بیگانۂ راحت ابھی
اس کے ہونٹوں تک نہ آیا تھا پیامِ سرخوشی
پھول ہنستے تھے مگر اس کو ہنسا سکتے نہ تھے
سرمدی نغمے اسے اپنا بنا سکتے نہ تھے
باعثِ تخلیقِ راحت خود تھا گھبرایا ہوا
باغِ جنت میں بھی تھا یہ پھول کملایا ہوا
اس طرح تھا وادیٔ جنت میں آدمؑ کا شباب
جیسے بے مقصد بہے دریا کی موجوں کے حباب

○

شاید اک بلبل نہ تھی جو اس کی بو پر جھومتی
اس کے دامانِ نظر کو مست ہو کر چومتی

نوچتی منقار سے پامال کر دیتی اسے
درد کی دولت سے مالامال کر دیتی اسے

ایک مجاہد

ماہِ کابل کی ضیا سے ہے پہاڑوں کی بہار
نور سے نکھرے ہوئے ہیں دشت کے نقش و نگار

ریت کے ذرّے چمک دیتے ہیں تا حدِ نظر
دامنِ صحرا ستاروں سے بھرا ہے سر بسر

جھاڑیوں کی پتیوں پر نور ہے بکھرا ہوا
رات کا چہرہ ہے مانندِ سحر نکھرا ہوا

ہے سکوں چھایا ہوا یوں چپ کھڑے ہیں کوہسار
محفلِ اندر کی گرمی جس خموشی پر نثار

•

اس حسیں صحرا میں خود رو جھاڑیوں کے درمیاں
چند خود دار اور بہادر بدوؤں کے ہیں مکاں

ان میں اک نوعمر خوش قسمت کی شادی کی ہے رات
ہو چکی ہے منتشر دولہا کے گھر آکر برات

نوجواں خلوت میں بیٹھا ہے عروسِ نو کے پاس
آج بر آئی ہے اس کی مدتوں پہلے کی آس

فکر سے خالی ہے ارمانوں بھری رنگین رات
ہے ہم آغوشِ بہارِ جانفزا باغِ حیات

•

ناگہاں آئی ہے یوں کانوں میں اک میٹھی صدا — کوئی کہتا ہے کہ کہتے ہیں محمد مصطفیٰ
جس کو چلنا ہو جہادِ فی سبیل اللہ میں — سر کٹانا ہو جسے دینِ خدا کی راہ میں
ہاں چلے جس کو ہو پیاری دینِ حق کی آبرو — ہاں چلے جامِ شہادت کی ہو جس کو جستجو
آئے آکر حاصلِ رسمِ شہادت دیکھ لے — اپنی آنکھوں سے مجاہد باغِ جنت دیکھ لے

•

چونک اٹھا سن کے یہ تقریر وہ نوجواں — اپنی بیوی سے کہا آیا ہے وقتِ امتحاں
اک طرف تیری محبت اور ترا احساس ہے — اک طرف حکمِ خدائے دو جہاں کا پاس ہے
تو اجازت دے تو جاؤں سر کٹانے کیلئے — نامِ کفر و شرک دنیا سے مٹانے کیلئے
ہم نشیں رستے میں کرتے ہوں گے میرا انتظار — گر نہ جاؤں گا تو ناحق ان سے ہوں گا شرمسار

•

سن کے یہ باتیں عروسِ نو کا دل گھبرا گیا — اس کے ارمانوں کا گلشن یک بیک مرجھا گیا
جامِ راحت ہاتھ سے گر کر ہوا گو چور چور — مانعِ اظہارِ بیتابی تھا نسوانی غرور
پیار سے نظریں اٹھیں شوہر کی جانب چند بار — پھر کہا دھیرے سے بسم اللہ میرے تاجدار
مرحبا اسلام کی خوددار بیٹی مرحبا — تیرے احسانوں کا خوگر ہے زمانہ روئے وفا

غازیوں کے عزم میں شامل ترا ایثار ہے — باغِ دنیا تیرے دل کے خون سے لالہ زار ہے

•

الغرض وہ شیر دل وہ محسنِ توقیرِ قوم — اپنے نیزے سے بدلنے کیلئے تقدیرِ قوم
چل دیا صحرا کی جانب یار سے منہ موڑ کر — اپنی راحت اپنی دنیا کو تڑپتا چھوڑ کر
تند خو گھوڑے کو دی مہمیز پورے جوش میں — جنگ کے شعلوں کو لینے کیلئے آغوش میں

•

منزلیں طے کر کے جا پہنچا قریبِ رزمگاہ — جس جگہ تھی برسرِ پیکار اسلامی سپاہ
نعرۂ تکبیر سے روحوں کو گرماتا ہوا — جا گھسا دشمن کی صف میں تیغ چمکاتا ہوا
یوں بڑھا کفار پر غازی کی ہیبت چھا گئی — اک جواں ہمت کے آتے ہی قیامت آ گئی
اک سے نیزے کی الٹا دی بساطِ رزمگاہ — ہر طرف بے حوصلہ ہونے لگی دشمن سپاہ

•

لیکن اے تقدیر تیرے تیر بے آواز ہیں — کون جانے تیری پیشانی میں کیا کیا راز ہیں
لڑتے لڑتے آ گیا دشمن کے نرغے میں دلیر — آ گیا قبضے میں صدہا بکریوں کے ایک شیر
اِس طرف سورج نے اوڑھی شام کی کالی ردا — اُس طرف وہ خادمِ اسلام گھوڑے سے گرا

موت کے ہنگام میں بھی ہے مگر یوں باوقار
جیسے منزل پر پہنچ جائے کوئی بانکا سوار

اب بھی ہے ٹوٹی ہوئی تلوار کے قبضہ پہ ہاتھ
خون میں ڈوبا ہوا نیزہ ہے جانِ دل کے ساتھ

خون کے قطرے ہیں پیشانی پہ مانندِ گہر
روئے سادہ پر ہے یوں نورِ مسرت جلوہ گر

جیسے دنیا چھوڑ جانے کا نہ ہو کچھ بھی ملال
رہ گیا ہو جیسے کوسوں دور دشمن کا خیال

نور آنکھوں میں لبوں پر مسکراہٹ دل غنی
اس طرح معلوم ہوتا ہے بوقتِ جانکنی

اک مسافر آگیا ہو جیسے منزل کے قریب
یا کوئی طوفاں زدہ آجائے ساحل کے قریب

مجاہدہ[1]

وادیٔ حسن و مسرت یہ جہانِ تگ و تاز　　یہ گلستانِ حقیقت یہ شبستانِ مجاز
جس کے ہر ذرّے میں پوشیدہ ہیں سو سو انداز　　جس کی چوکھٹ پہ ادا ہوتی ہے روحوں کی نماز

سادہ منظر سے بھی گھونگھٹ جو سرک جاتا ہے
دل کے آئینے میں فردوس جھلک جاتا ہے

کوئی مجبور و تہی دست ہو یا صاحبِ شان　　جو بھی ہے دل میں بساتا ہے اسی کے ارمان
سب کی منزل ہے اسی بزم کا ساز و سامان　　جان و دل کرتا ہے ہر ایک اسی پر قربان

اس کے کانٹوں میں بھی ملتی ہے بہاروں کی ادا
اس کی ظلمت نے بھی پائی ہے ستاروں کی ردا

تو بھی اِس گلشنِ شاداب میں آ سکتی تھی　　تو بھی اک جلوۂ افکار سجا سکتی تھی
تو بھی الفت کے دیے دل میں جلا سکتی تھی　　تو بھی فرزانوں کو دیوانہ بنا سکتی تھی

[1] الجزائر کی مجاہد جمیلہ

لیکن اس کو تری فطرت نے گوارا نہ کیا
فرض سے تو نے کسی طور کنارا نہ کیا

تو بڑھی منزلِ توقیرِ وطن کی جانب — تو بصد شوق چلی دار و رسن کی جانب
رُخ کیا تو نے مصائب کی محن کی جانب — دل جھکا تیرا شہیدوں کے چلن کی جانب

تو نے صدمات سہے لطفِ عیاں کے بدلے
مانگ میں خاک بھری کاہکشاں کے بدلے

گو تجھے ملتی ہے اِس جرمِ وفا پر تعزیر — لیکن اے دخترِ اسلام نہ ہو تو دل گیر
صبر کے نور سے بڑھتی ہے وفا کی توقیر — اسی تلوار سے کٹتی ہے جفا کی زنجیر

وقت آئے گا تو ہی رشکِ نگاراں ہو گی
تیری ہستی صفتِ مہرِ درخشاں ہو گی

غم

عورت ،

جس طرح بگولے کے ساتھ خشک پتا ہو ۔۔۔ یا ہوا کے جھونکے کے ساتھ ایک تنکا ہو
اب سے مدتوں پہلے وقت کا کوئی جھونکا ۔۔۔ اس حسین وادی میں تجھ کو لے کے آیا تھا
ہم تری نگاہوں کو اجنبی سمجھتے تھے ۔۔۔ ہم تری اداؤں کو اجنبی سمجھتے تھے
سوچتے تھے کیا ہے تو کون ہے کہاں ہے تو ۔۔۔ کس کے غم کا مارا ہے کس کا راز داں ہے تو

بوڑھا مرد ،

تو ہماری نظروں میں غیر تھا مسافر تھا ۔۔۔ سوچتے تھے ہم اکثر وقت کا کوئی جھونکا
تجھ کو اپنے دامن میں لے کے بھاگ جائیگا ۔۔۔ تو ہماری وادی میں پھر نظر نہ آئے گا
جیسے سینکڑوں پتے جیسے سینکڑوں تنکے ۔۔۔ بیقرار رہتے ہیں دوش پر بگولوں کے

اس حسین وادی میں آ کے لوٹ جاتے ہیں ۔۔۔ یونہی ان خلاؤں میں منزلیں بناتے ہیں

عورت :

لیکن اے حسیں ساتھی! ہم یونہی بہکتے تھے ۔۔۔ تیرے آنے جانے کو ہم غلط سمجھتے تھے
ایسی شے نہیں تھا تو جو سفر میں رہتی ہے ۔۔۔ زندگی کی موجوں کے ساتھ یونہی بہتی ہے
تو ہماری وادی میں اس طرح نہ آیا تھا ۔۔۔ دوش پر بگولوں کے جس طرح کوئی تنکا
بے قرار رہتا ہے، روز آتا جاتا ہے ۔۔۔ یونہی ان خلاؤں میں منزلیں بناتا ہے

مرد :

تو تو اک حقیقت تھا، تو تو اک صداقت تھا ۔۔۔ جاوداں جسے کہیے، تو تو وہ محبت تھا
اس حسین وادی میں ایسے بس گیا تھا تو ۔۔۔ جیسے ساز میں نغمہ، جیسے پھول میں خوشبو

عورت :

لیکن اے حسیں ساتھی! آج تو بھی جاتا ہے ۔۔۔ غم نصیب روحوں کا اور غم بڑھاتا ہے

نوجوان :

کیا یہ ذکر میرا ہے۔ کیا یہ بات میری ہے　　کیا تمھارے ہونٹوں پر واردات میری ہے

عورت :

ہاں یہ ذکر تیرا ہے ہاں یہ بات تیری ہے　　اپنے خشک ہونٹوں پہ واردات تیری ہے
دل کی روشنی لے کر، روح کی خوشی لے کر　　غم نصیب ہونٹوں کی مضمحل ہنسی لے کر
جیسے کوئی مہماں تھا ایسے جا رہا ہے تو　　غم نصیب روحوں کا غم بڑھا رہا ہے تو

نوجوان :

غم کا ماجرا کیا ہے حالِ دل سناؤ تو　　تم پہ کیا گزرتی ہے ساتھیو! بتاؤ تو ؛

عورت :

حالِ دل سنائیں کیا دل کا حال ابتر ہے　　زندگی کی ہر ساعت موت کے برابر ہے
ذکر ہے جدائی کا جب سے تیرے گیتوں میں　　شائبہ ہے رخصت کا جب سے تیرے نغموں میں

سب لطافتیں رخصت ہو گئیں بہاروں سے　　گیت چھن گئے جیسے اپنے آبشاروں سے

ملگجے تاروں سے نور چھن گیا جیسے　　مضمحل بہاروں سے نور چھن گیا جیسے

مرد:

زندگی کے سینے میں درد کی گھٹن سی ہے　　زخم کی کسک سی ہے خار کی چبھن سی ہے

واسطہ ہے ٹیسوں سے، آنسوؤں سے، آہوں سے　　فیض کچھ نہیں پاتے دل کی جلوہ گاہوں سے

عورت:

چاک گل کا پیراہن ہر کلی کا دل خوں ہے　　ہر نگاہ ویراں ہے ہر خیال محزوں ہے

ظلمتوں کے دھبے ہیں چاندنی کے دامن پر　　سوگ سا برستا ہے زندگی کے گلشن پر

بجلیاں برستی ہیں سرمئی گھٹاؤں سے　　آگ سی نکلتی ہے چاندنی کی شعاعوں سے

مرد:

روح کے شبستاں میں زندگی کے ایواں میں　　حسن کے گلستاں میں عشق کے خمستاں میں

روشنی نہیں پاتے، زندگی نہیں پاتے　　اس حسین وادی میں اب خوشی نہیں پاتے

عورت :

یہ خیال رہ رہ کر برچھیاں چلاتا ہے　　آخری خوشی بن کر آج تو بھی جاتا ہے

مرد :

جز متاعِ غم کیا ہے اب ہمارے دامن میں　　آ گئی خزاں گویا زندگی کے گلشن میں

نوجوان :

غم سے آشنا ہو تم میں کبھی نہ مانوں گا　　ان حسین آنکھوں کو غم کبھی نہ جانوں گا

حسرتوں کو غم کہہ کر دل دکھا رہے ہو تم　　ساتھیو! عبث غم سے خوف کھا رہے ہو تم

یوں زباں پہ آیا ہے ذکر چشمِ پُرنم کا　　جیسے ساغرِ مے میں عکس زلفِ برہم کا

غم تو اک صداقت ہے غم تو اک حقیقت ہے　　غم جہاں کہیں بھی ہو زندگی کی راحت ہے

غم جہانِ الفت کی آخری تمنا غم　　زندگی کے گلشن کا آخری شگوفہ غم

اس حسین وادی کا دل بھی غم سے خالی ہے — دوستو یقیں جانو خشک غم کی ڈالی ہے

غم اگر نظر آتا پھر کہیں نہ جاتا میں — اس حسین وادی کو اپنا گھر بناتا میں

لیکن آہ مجبوری سیکن آہ مایوسی — آج پھر نکلتا ہوں میں تلاش میں غم کی

جیسے اک بگولے کے ساتھ خشک پتا ہو — یا ہوا کے جھونکے کے ساتھ ایک تنکا ہو

آج اپنے دامن میں وقت کا کوئی جھونکا — میرے جسد خاکی کو لے کے بھاگ جائیگا

اس حسین وادی میں پھر نظر نہ آؤں گا — یونہی ان خلاؤں میں منزلیں بناؤنگا

اپنی اغراض کے سانچوں میں ڈھلا جاتا ہے
آدمی سا کوئی دیوانہ نہیں ہے اے دوست

ماضی

یہ تصور کے دھندلکوں کی مقدس محراب

جس کے ہر پرت میں تابندہ صدیوں کا شباب

جس کے ماحول کی چتون پہ نہیں کوئی شکن

غم کے بادل سے برستی ہے مسرت کی شراب

نغمہ و نور کا اک سیلِ رواں جلوہ فروش

ذرہ ذرہ نظر آتا ہے ستاروں کا جواب

جس کی آغوش میں ہے عظمتِ انساں کا سراغ

ایک محسوس صداقت ہے وفا کا ہر خواب

٥

وقت اک دن یونہی تابندہ بنا دے گا ہمیں

اسی محراب کے طاقوں میں سجا دے گا ہمیں

یونہی بے عیب نظر آئے گی اپنی تصویر

ہر کوئی دل میں عقیدت سے جگہ دے گا ہمیں

یہ زمانہ جو مخالف ہے، گراں خاطر ہے

دیکھ لینا کہ یہی دادِ وفا دے گا ہمیں

کیوں نہ پھر آج ہی اس راز کی تہہ پا لیں ہم
کل کی امید کو کیوں آج نہ اپنا لیں ہم

زمانہ

ہزار ہا سال سے جوانی اسی طرح مسکرا رہی ہے
ہزار ہا سال سے محبت اسی طرح خون بہا رہی ہے
نہ یہ نئی بات ہے کہ رحیں سکوتِ شب میں کراہتی ہیں
نہ یہ کوئی راز ہے کہ آنکھیں حسین چہروں کو چاہتی ہیں
جھکا ہوا ہے صنم کدوں میں اسی عقیدت سے ابنِ آدمؑ
اسی طرح کاروبارِ ہستی پہ سایہ افگن ہے زلفِ برہم
اسی طرح دل کے طاقچوں میں سجا کے خود ساختہ بتوں کو
ہیں لب پہ وحدانیت کے نغمے بنا کے معبود خواہشوں کو
اسی طرح غم کا شائبہ ہے خوشی کے جذبات میں ابھی تک،
اسی طرح ہے منافقت کی خلش خیالات میں ابھی تک

وہی خیالات کا تنزل، وہی بھروسے، وہی سہارے

وہی تمنا، وہی ارادے، وہی مقدر، وہی ستارے

وہی پہلے گل و ثمر ہیں بہار کی سرخ اوڑھنی میں

وہی پرانی کسک سی پنہاں ہے پھول کی ننگی منسی میں

خزاں کے سوتے کی سلوٹوں میں وہی بے اندازگی کا

[illegible] بے خزوں کی ٹھیٹی میں زندگی کا

وہی نظر میں [illegible] کا نہ کچھ نیا ہے نہ کچھ پرانا

وہی کہانی الٹ پلٹ کر سنا رہا ہے [illegible] زمانہ

یادِ وطن

جیل سے [illegible] وطن کو [illegible]

ابھی شراب تو ساغر میں باقی ہے ابھی زندگی کی حرارت بدن میں باقی ہے

گلوں سے عہدِ محبت ہے استوار ابھی شمیمِ باغِ وطن [illegible] ابھی

ابھی وہ جانِ وفا منتظر ہی ہوگا دلِ حسن عشق کے اجڑے دیار میں ہوگا

ابھی وہ شام و سحر [illegible] لگائے ہیں بھٹک رہا ہے تصورِ وطن کی راہوں میں

کشاکشِ غمِ ہستی بھی ناگزیر سہی! ہماری روح غمِ دہر کی اسیر سہی،

مگر وہ پیار کی باتیں بھلائیں گے کیونکر تخیلات سے آنکھیں چرائیں گے کیونکر

یہ ٹھیک ہے یہ باتیں رہیں رہیں نہ رہیں یہ دن یہ نور کی راتیں رہیں رہیں نہ رہیں

جو بکھر گئے بھی تو یہ لوٹ کے کہاں جائیں گے   وطن جوان ہے یگانہ ہم جواں ہونگے

چل اے ندیم دیارِ وطن کو لوٹ چلیں

تنہائی

یہ بہاریں، یہ فضائیں مری ہم راز نہیں
حسن کی شوخ ادائیں مری ہم راز نہیں
عشقِ مہجور کی آہیں مری ہم راز نہیں
میں اکیلا ہوں ابھی جلوہ گہِ ہستی میں

میری نظروں میں غمِ زیست کا حاصل ہے جدا
فکر و احساس جدا، غم ہیں جدا، دل ہے جدا
جو مرے ساتھ ہیں ان سے مری منزل ہے جدا
میں اکیلا ہوں ابھی جلوہ گہِ ہستی میں

اس جہنم میں سب اغراض کے سودائی ہیں
اہلِ دل ہیں نہ شریکِ غمِ تنہائی ہیں
کچھ تماشہ ہیں کچھ احباب تماشائی ہیں
میں اکیلا ہوں ابھی جلوہ گہہ ہستی میں

اتنے ارماں تھے مگر راس نہ آیا کوئی
جس جگہ میں ہوں مرے پاس نہ آیا کوئی
اس فضا میں بجز احساس نہ آیا کوئی
میں اکیلا ہوں ابھی جلوہ گہہ ہستی میں

کچھ ایسا دلنشیں انداز ہے تو ہر کی شاخوں کا

کہ جیسے کوئی دوشیزہ اشارے سے بلاتی ہے

قیامت ہے مگر ان کے حسیں پیڑوں کی ہر جنبش

چھما چھم کی صدا ہر گام پر نیتے جگاتی ہے

یہ گورے گورے ننگے پاؤں ہیں یا چاند کے ٹکڑے

انہی قدموں کے نیچے زندگی دامن بچھاتی ہے

دمکتے ہیں کسانوں کے سلونے سانولے چہرے

گھٹا کی اوٹ سے گویا شفق جوبن دکھاتی ہے

میری دنیا

یہ آوارہ نغمے، یہ روشن ستارے ۔۔۔ یہ آزاد جگنو، یہ ٹھنڈے شرارے

یہ سرسبز پودے یہ پھول اور یہ کلیاں ۔۔۔ یہ شبنم کے قطرے یہ موتی کی لڑیاں

یہ سرسبز و شاداب کھیتوں کے منظر ۔۔۔ دلہن جیسے اوڑھے ہوئے سبز چادر

یہ شفاف نہریں یہ ندی یہ نالے ۔۔۔ یہ چاند اور سورج کے نوری پیالے

مہکتی ہوئی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ۔۔۔ یہ اجلے پرندے یہ اودی گھٹائیں،

یہ چڑیوں کے جھنڈ اور یہ کونجوں کی ڈاریں ۔۔۔ یہ اڑتی ہوئی ہرنیوں کی قطاریں

یہ شام و سحر کے موثر نظارے ۔۔۔ یہ نور اور ظلمت کے ہمدوش دھارے

یہ گاتی ہوئی جھاڑیوں کا ترنم ۔۔۔ یہ معصوم خاموشیوں کا تکلم!

یہ جوش دہقانوں کے چہروں کی لالی ۔۔۔ یہ پنہاریاں جیسے پھولوں کی ڈالی

یہ جنگل کا ابھر یہ پنگھٹ کی رانی، سراسر محبت، سراپا جوانی

ادھر دیکھئے راستی جلوہ فرما

یہ ہے میری جنت یہ ہے میری دنیا

غمِ زندگی

تو چاہتا ہے غم نہ ہو　　آہیں نہ ہوں ماتم نہ ہو
گل چہچہے کرتے رہیں　　اور گریۂ شبنم نہ ہو

٥

لیکن سن اے جانِ خوشی　　یہ ہو نہیں سکتا کبھی
ہے ساتھ دھوپ اور چھاؤں کا　　بالکل یونہی رنج و خوشی

پاتا ہے ہر اک آدمی
یہ زندگی ہے زندگی!

پھولوں کے طالب سوچ لے　　کانٹے بھی ہیں گلزار میں
ہے مست جس کی چھاؤں پر　　روزن ہیں اس دیوار میں

دھوپ آئے گی شاید یہاں   شاید بھی کیوں فی الواقعی

یہ زندگی ہے زندگی

اے دوست

مجھ سے آوارہ و خود بیں سے نہ ملنا اچھا
تیرے قابل مرا غم خانہ نہیں ہے اے دوست
کوئی سمجھا ہے مجھے اور نہ تو سمجھے گا
یہ حقیقت کوئی افسانہ نہیں ہے اے دوست
میں نے پایا نہ کبھی اپنی وفاؤں کا صلہ
میری قسمت میں یہ پیمانہ نہیں ہے اے دوست
اپنی اغراض کے سانچوں میں ڈھلا جاتا ہے
آدمی کوئی دیوانہ نہیں ہے اے دوست
خوب معلوم ہے یہ تلخ حقیقت مجھ کو
زندگی نعرۂ مستانہ نہیں ہے اے دوست

تو نہ سمجھے گا مرے زخم جگر کی قیمت
شمع محفل ہے تو پروانہ نہیں ہے اے دوست

باعثِ فخر و مباہات ہے جو میرے لئے
تجھ میں وہ جراتِ رندانہ نہیں ہے اے دوست

تراشے

بزمِ مہتاب کی رونق میں نہ آئے گی کمی
کس لئے کرتا ہے ٹوٹے ہوئے تاروں کا شمار
کس لئے روتا ہے ناکام تمناؤں کو
کس لئے ہوتا ہے اوہام کے تیروں کا شکار

زندگی بادِ مخالف ہے جوانی خوشبو
سایۂ ابر کے مانند ہیں ایّامِ بہار
یک نفس بھی ہے کہاں فرصتِ ہستی اے دوست
ہم ہیں طوفان میں اڑتی ہوئی اک مشتِ غبار

دیدنی ہے مری وحشت کا تماشائے دوست
دامنِ دل میں لیے پھرتا ہوں الفت کے شرار
اس جہاں میں کہ جہاں جنسِ وفا ہے معدوم
میرے ہر سانس کا ہے حسن کے وعدوں پہ مدار

خس و خاشاک کے ہمراہ بہہ جانے سے کیا حاصل
بدل طوفاں کا رخ یا غرق ہونے دے سفینے کو
تری غیرت، کہ تنکوں کی طرح بہتا ہے اور خوش ہے
میں ننگِ آدمیت جانتا ہوں ایسے جینے کو

سجے پھولوں نے خوشبو کے قرابے
شفق نے سرخیوں کی مے لنڈھائی
مگر انساں سے اس بزمِ جہاں نے
کوئی رونق، کوئی زینت نہ پائی

منصور تو کہتا تھا خدا ہے منصور
اس کا بھی مقلد نہ ہوا ان کا غرور
کیا بات ہے اس دور کے بے دینوں کی
کہتے ہیں خدا ہے تو خدائی کا قصور

تنکے کی بساط کیا ہوا کے آگے
بندے غرور اور خدا کے آگے
جھکتا ہے شیاطین کے قدموں پہ وہ سر
جو سر نہ جھکا ہو کبریا کے آگے

یورپی جمہوریت

آمر کے لب پہ طنز میں ڈوبی ہوئی ہنسی
سلطانیت کے دل پہ شہنشاہیت کا داغ
انسانیت کے نام پہ ابلیس کا فریب
صحرا میں رہزنوں کا جلایا ہوا چراغ

شہنشاہیت

اک راگنی جو ذوقِ سماعت پہ ہے گراں
نعشوں پہ بیکسوں کی لرزتی صدائے زاغ
اک ایسا شعر جس کا وزن بھی نہیں درست
وہ بات جس کو سن کے پریشان ہو دماغ

آدمی

وہ خون جو مواد کی صورت بدل چکا
شیطاں کی بزمِ خاص میں لبریزِ ایاغ
زخموں سے چیختا ہوا اک جاں بہ لب مریض
قابو میں جو نہیں ہے وہ بگڑا ہوا دماغ

محبت

انسانیت پہ ایک جھجکتی ہوئی نگاہ!
بے برگ و بار جس کے ثمر ہیں اک ایسا باغ
شاعر کا وہ خیال نہ جو نظم ہو سکا
وہ گمشدہ بہشت نہیں جس کا کچھ سراغ